سوموار کا روزہ

"عـن أبي قتادة الأنصاري رضي الله عنه أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم سئل عن صوم الاثنين ، فقال: ((فيه ولدت و فيه أنزل علي.))"

(صحيح مسلم ، رقم: ١١٦٢)

"ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سوموار کے دن روزے کی بابت پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس دن میری ولادت ہوئی اور اسی دن مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔"

قرآن خدا کا کلام ہے

نصر بن حرث اور اس قماش کے دوسرے لوگ جب یہ دیکھتے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا جواب بن نہیں آتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کا کلام تھوڑا ہی ہے، یہ تو افترا ہے۔ وہ لوگ جو اہل کتاب تھے اور اب مسلمان ہو گئے ہیں، اس کی ترتیب و تدوین میں محمد (ﷺ) کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ نیز کہتے کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں اور قصے ہیں جس کو اس نے لکھوالیا ہے اور اب قرآن کے نام سے ہمارے سامنے پیش کر رہا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور خدا کی جانب سے فرستادہ ہیں۔ ان کا پیش کردہ کلام خدا کا کلام ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اس میں ایسا علم اور ایسی وسعتِ معارف ہے جو اللہ کے ساتھ مختص ہے۔

جس طرح آسمانوں اور زمین کے بھیدوں اور اسرارِ کائنات کو بجز خالق کون و مکان کوئی نہیں جانتا۔ اسی طرح ان علوم و معارف سے کوئی شخص آگاہ نہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔

غرض یہ ہے کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر سب بڑی دلیل اس کی وسعتِ معانی اور ذخارتِ معلومات ہے۔

کیا کوئی انسان اتنا بلیغ، اتنا جامع اور جملہ ضروریات انسانی کو پورا کرنے والا کلام پیش کر سکتا ہے؟ ایک ایسا کلام جس میں عقائد بھی ہوں، اخلاق کی تفصیل بھی ہو اور معاشرت کی گتھیاں بھی سلجھائی گئی ہوں، جس میں اقوام و ملل کے حالات اور نفسیات عروج و زوال کی داستان بھی ہو جس میں حیرت انگیز پیش گوئیاں ہوں اور غیوب کا ایک بہت بڑا مجموعہ ہو، جس کا اندازِ بیان بالکل فطری، جاذب اور حیران کن طور پر معجزانہ ہو، جس کے متعلق ساری دنیا کو مقابلے کی دعوت دی جائے، جس کو سن کر بڑے بڑے فصحاء لکھنا چھوڑ دیں، قوم میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دے جو مردوں میں جان ڈال دے اور زندوں کو عروج و ارتقا کے بام بلند تک پہنچا دے۔ ایسا عظیم المرتبت کلام یقیناً انسان کی وسعت سے باہر ہے۔

(مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ)



بسم اللہ الرحمن الرحیم
واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ
سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی حفظہ اللہ

15 ربیع الاوّل 1435ھ جمعۃ المبارک 17 تا 23 جنوری 2014ء

الاعتصام
ہفت روزہ
مسلک اہلحدیث کا داعی وترجمان
یکے از مطبوعات دارالدعوۃ السلفیۃ

شمارہ 03 جلد 66

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ، لاہور
فون نمبر : 042-3735 4406
فیکس نمبر : 042-37229802
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12
E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک
فی پرچہ : -/12 روپے
سالانہ : -/500 روپے
بیرونی ممالک سے : -/200 ریال، -/60 ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ

حافظ احمد شاکر

بات تو اگر چہ یہی صحیح ہے کہ ''رموزِ مملکت خسرواں داند'' لیکن ہم اپنے پر قیاس کرتے ہوئے اگر یہ عرض کریں کہ اُمت مسلمہ کی خواہش ہے کہ مسلمان مملکتوں کے سربراہ مل بیٹھ کر اپنا ایک ایسا اتحاد تشکیل دیں جو اپنی خارجہ پالیسی اور...... کاغذ کی بجائے سکے کی...... کرنسی ایک کریں، مسلمان ممالک اپنے مابین شہریوں کے لیے سفر میں آسانیاں پیدا کریں، کم از کم نفع کے ساتھ ترجیحی بنیادوں پر اپنی اپنی مصنوعات کا لین دین کریں، باہمی مشاورت سے پنجۂ اغیار سے نکلنے کی مشترکہ پالیسی اختیار کریں، ایک دوسرے کے دکھ سکھ سے باخبر رہیں اور کام آئیں عالم اسلام کا ہر ملک اپنے اپنے احوال وظروف کے مطابق جس قدر ممکن ہو سکے اسلامی قوانین کے نفاذ کی طرف پیش قدمی شروع کر دے، جن مسلم ممالک کے درمیان...... اغیار کی پھیلائی ہوئی...... غلط فہمیاں ہوں وہ دور کریں، اختلافات ہوں تو ان کو حل کریں، مسلمان جہاں اقلیّت میں ہوں ان کے حقوق اور جان ومال کے تحفظ کی ذمہ داری عالم اسلام پر ہے وہ اس کو پورا کرے، مسلم ممالک ایک صنعتی زون بنانے کی کوشش کریں اور مشاورت کے لیے مسلمانوں پر ہی انحصار کریں اور مشیر بھی کسی مملکت یا افراد کی بجائے اُمت مسلمہ کا مفاد مقدم رکھیں۔ ان خواہشات کو انہونی بھی کہا جا سکتا ہے بلکہ نظرِ بہ ظاہر انہونی ہی ہوں گی، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمان سربراہ اگر اس راستے پر چلنے کا فیصلہ بھی کر لیں تو اس کے لیے سالوں نہیں دہائیاں مطلوب ہو سکتی ہیں کیوں کہ اس راستے میں کھائیاں بھی ہوں گی، پہاڑ بھی ہوں گے اور تو دے بھی۔

ماضی بعید میں ملک فیصل بن عبدالعزیز آل سعود رحمہ اللہ اس خواہش کو لے کر اُٹھے تھے، مسلم اُمہ ان سے پر اُمید بھی ہو گئی تھی لیکن اغیار نے دسیسہ کاری سے گھر کے چراغ ہی کے ہاتھوں یہ قندیل اتحاد گل کر کے مسلم اُمہ کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا۔

اختلاف رائے کا حق دیتے ہوئے ہمارے خیال میں جنرل ضیاء الحق مرحوم بھی مسلم اُمہ یا وحدت اُمت کی حسرت دل میں لیے چل دیے، جس کا اعتراف، عراق ایران جنگ کے دنوں، او۔آئی۔سی کی رباط کانفرنس کے مندوبین نے ان کی تقریر سن کر کیا تھا۔ افغانستان کے دفاع میں افغان مسلمانوں کے ساتھ ان سے کندھا ملا کر کھڑا ہونا اور پھر شکست روس تک ان کو تنہا نہ چھوڑنا، جنگ کے بعد مسلمانوں کے لیے صنعتی زون بنانے کی منصوبہ بندی کرنا، مسلم اُمہ کو متحرک کرنا یا دنیا میں جذبۂ جہاد زندہ کرنا، اس کی ممکن حد تک آبیاری کرنا، مسلم اُمہ کے استحکام اور مسلمانوں کی سربلندی کے لیے ان کے جذبۂ دل کے یہ سب شواہد ہیں۔ لیکن افسوس کہ ''جمہوریت'' کی برکت سے جنیوا کانفرنس کے ذریعے جنگ افغانستان کی پیٹھ میں چھرا گھونپ کر اِس جنگ کے مفادات طاغوت اچک لے گیا۔ بھگت کبیر کا یہ دوہہ اس وقت کے حالات کی شاید صحیح ترجمانی کرے۔

کھیر پکائی جتن سے چرخا دیا جلا...... آیا کتا کھا گیا تُو بیٹھی ڈھول بجا

جہاد کے واضح نتائج دیکھ کر طاغوت اس قدر خوف زدہ ہوا کہ اس نے بڑی تگڑی سازش کر کے جنگ افغانستان کامیاب بنانے والی ساری ٹیم کو اپنے سفیر کا تڑکا لگا کر ختم کر دیا جس کے بعد عالم اسلام کی سخی گلیوں میں اکیلا مرزا یار ہی پھرے بلکہ اکڑنے اور اترانے لگ گیا اور صلیب کی شکستوں کے انتقام میں اس نے مسلمانوں کو خوامخواہ نشانے پر اس طرح رکھ لیا کہ ربع صدی اس نے سربیا، قبرص، سوڈان، عراق، لیبیا، تیونس، مصر اور جنوب ایشیا میں افغانستانی و پاکستانی مسلمانوں کی خون کی ندیاں بہانے کے باوجود اس کی آتش انتقام ابھی تک سرد نہیں ہو رہی۔ جنگ افغانستان کے بعد

اس نے جمہوریت کے نام پر مسلم ممالک کو جس طرح تہس نہس کیا ہے اس سے ان ملکوں کی ہیئت اور معاشرت ہی تبدیل ہو چکی ہے۔ جمہوریت کے چلن سے معاشرہ میں جو خودسری اور گستاخی پیدا ہوتی ہے اس سے ……فرد، شاگرد، بیٹوں اور خردوں میں ……جرأت گفتار ایسی پیدا ہو جاتی ہے جو سرکشی اور گستاخی تک پہنچ جاتی ہے اور پھر اُسے حقوق کا نام دے کر اس کی حمایت اس حد تک کی جانے لگتی ہے کہ معاشرہ انارکی، ابتری، خلفشار بلکہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے اور مذکورہ بالا مسلمان ممالک جس کا تیزی سے شکار ہو رہے ہیں۔ جس طرح گاڑیوں کے ماڈل ہر ملک کے لیے مختلف ہوتے ہیں اسی طرح جمہوریت کے بانیوں نے جمہوریت کے ماڈل بھی ہر ملک کے لیے الگ الگ رکھے ہوئے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کا اصل معنی تو اغیار…… یہود و نصاریٰ……کا طوق غلامی ہے جس ملک کے باشندے جس طریق سے گلے میں ڈال لیں اسی کو جمہوریت کہتے ہیں۔

بات چلی تھی وحدت اُمت کی خواہش اور اس سلسلے میں دل دردمند رکھنے والے ہر مسلمان کی آرزوؤں کے اظہار کی جس کے ضمن کئی پامال کہانیاں بھی قلم سے نکل گئیں اور اسی روانی میں قلم مسلمانوں پر ظلم وستم پر نوحہ کناں بھی ہو گیا حقیقت تو یہ ہے کہ من حیث الامہ جب تک ہم اس نام نہاد دہشت گردی کی جنگ کو صلیب کی جنگ نہ سمجھیں گے اور جمہوریت کی آڑ میں مسلمانوں کی خون آشامی کو مسلمانوں پر کفر کی یلغار نہ جان لیں گے تب تک اُمت کا قبلہ صحیح ہونا ممکن نہیں۔ اور یہ توبہ وانابت ہی سے ممکن ہے۔

مسلمانوں کو موجودہ تنزل اور ادبار سے نکالنے کے راستوں میں پہلا راستہ تو احکام شریعت پر عمل، جس میں اہم اکبر الکبائر (شرک) اور سودی معیشت سے نجات اور دوسرا راستہ مسلم اُمہ کا اقتصاد و معیشت میں غیروں کی محتاجی سے نجات، صنعت و معیشت میں خود انحصاری اور کمزور مسلم ممالک کو صلیبی ممالک کے سودی قرضوں سے نجات دلا کر بہ حیثیت مسلم اُمہ ان کی خدمت و معاونت، تیسرا راستہ حسب ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے مشاورت اور مسلمان ممالک کی پالیسیوں میں ان کی دخل اندازی سے احتراز……اب دیکھیے مسلم اُمہ کی بہ ظاہر……اس انہونی خواہش اور ضرورت کی تکمیل کی سعادت سے کون بہرہ ور ہوتا ہے کیوں کہ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ o

موت العالِم موت العالَم

آج ہی اطلاع ملی کہ جامعہ کمالیہ……دارالحدیث……راجووال کے مؤسس اور مہتمم استاذ الاساتذہ مولانا محمد یوسف آف راجووال تقریباً ۹۶ سال کی طویل اور بابرکت عمر پا کر پیر اور منگل کی درمیانی شب بتاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۳۵ھ بمطابق ۱۳ جنوری ۲۰۱۴ء ایک بجے رات دنیائے ناپائیدار سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے۔ ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شيء عندہ باجل مسمی، ولا نقول الا مایرضی بہ ربنا، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

حضرت مولانا کی خدمات ایک الگ اداریے اور ان کے تفصیلی حالات کی متقاضی ہیں وہ ان شاء اللّٰہ آئندہ شمارے میں آپ ملاحظہ فرمالیں۔ (غم زدہ: احمد شاکر)

درسِ حدیث

اربعین اعتقادی

ترجمہ وفوائد
حافظ ریاض عاقب اثری

فرائد الفوائد في جمع الأربعين من أحاديث العقائد

باب: ماجاء في ختم النبوة ، وقول الله تعالیٰ:
﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾
[الأحزاب: ٤٠]

٢٨۔عن أبي هريرة ﷺ، أن رسول الله ﷺ قال:

((إن مثلي و مثل الأنبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فأحسنه وأجمله إلا موضع لبنة من زاوية فجعل الناس يطوفون به و يعجبون له ويقولون: هلا وضعت هذه اللبنة؟ قال: فأنا اللبنة ، وأنا خاتم النبيين .))

(صحيح بخاري، رقم:٣٥٣٥، صحيح مسلم، رقم:٢٢٨٦)

ختم نبوت کا بیان:

فرمان باری تعالیٰ ہے:

''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں اور لیکن وہ اللہ کا رسول اور تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہے اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

۲۸: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اسے ہر لحاظ سے بڑا اچھا اور خوب صورت بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ اب لوگ اس گھر کو چاروں طرف سے گھوم کر دیکھتے ہیں اور (اس کی خوب صورتی پر) تعجب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہاں ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو (سنو!) میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔''

فوائد:

۱: ختم نبوت پر مذکورہ آیت واضح دلیل ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت ورسالت کو ختم کر دیا گیا ہے۔

۲: ''خاتم النبیین'' نبی کریم کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے سلسلوں کو ختم کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔

۳: اس حدیث سے آپ ﷺ کی افضلیت، ختم نبوت اور آپ ﷺ کی شریعت کی اکملیت بھی ثابت ہوتی ہے۔

۴: تقریبِ افہام کے لیے ضرب المثل کا استعمال ثابت ہوا۔

۵: خاتم النبیین کا معنی ''نبیوں کا سلسلہ ختم کرنے والا'' ہے۔ اس کا معنی ''نبیوں کی مہر'' کرنا غلط ہے، جیسا کہ قادیانی اس کا یہ معنی کر کے مرزا قادیانی کی نبوت کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ بلکہ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یوں وضاحت فرمائی:

((وإنه سيكون فى امتى كذابون ثلاثون، كلهم يزعم أنه نبى ، وأنا خاتم النبيين لانبى بعدى.))

(ابو داود: ٤٢٥٣، ترمذی:٢٢١٩، ابن ماجه: ٣٩٥٢، احمد: ٥/ ٢٧٨، وسنده صحیح)

"اور یقیناً عنقریب میری اُمت میں تیس (۳۰) جھوٹے ہوں گے اور ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

لہٰذا ثابت ہوا خاتم النبیین کا صحیح مطلب وہی جو محمد عربی ﷺ نے اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ "میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔" اب آپ ﷺ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ نبی نہیں ہوگا بلکہ کذاب و دجال ہوگا۔ اور اس پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا کذاب تک جس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

ان سارقین نبوت کا ہر دور میں علمائے حق نے محاسبہ کیا ہے۔ مرزا قادیانی (علیہ ما یستحقہ) کا برصغیر کے علمائے اہل حدیث نے خوب محاسبہ کیا۔ مرزا کی تکفیر کی اولیت علمائے اہل حدیث کے ہاتھوں میں ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ہاتھوں جو ذلت و رسوائی مرزا قادیانی کی ہوئی اس بارے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں، یہاں اسے رقم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ عصرِ حاضر میں انگریز کا کاشت کردہ پودا دوبارہ سر اُٹھا رہا ہے، اسے دبانے کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ بھلا کرے بابائے تبلیغ مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند جناب ڈاکٹر بہاء الدین حفظہ اللہ المتین کا کہ جنھوں نے "تحریک ختم نبوت" ترتیب دے کر بہت اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ کتاب ختم نبوت کا انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اسے ہر لائبریری کی زینت ہونا چاہیے۔

❀❀❀

بقیہ: شرعي سزائیں وحشیانہ یا حکیمانہ......!

کے عمل کو درست سمجھتے ہو تو پھر اس کی افادیت میں کیوں شکوک کا شکار ہو کہ ایک مجرم کو قصاص میں قتل کرنے، سنگسار کرنے یا ہاتھ کاٹنے سے لاکھوں کی آبادی پر مشتمل معاشرے کی جان، عزت اور مال محفوظ ہو جاتا ہے۔

شرعی سزائیں وحشیانہ نہیں حکیمانہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا خیر خواہ ہے۔ وہ دنیا کی عارضی زندگی میں شرعی سزا پانے والے مجرم کو آخرت کی دائمی زندگی میں دردناک عذاب سے محفوظ رکھتا ہے۔

امن کے نام نہاد دعوے داروں نے عدالتی ثبوت کے بغیر اسامہ بن لادن کی گرفتاری کی آڑ میں افغانستان اور عراق پر یکے بعد دیگرے حملہ کیے۔ بمبار طیاروں نے آگ برسا کر لاکھوں انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ پاکستان کے شمالی علاقوں میں ڈرون حملوں کے دوران سیکڑوں بے گناہ عورتیں اور بچے ہلاک ہو رہے ہیں۔ ان امن پسندوں کا انتقامی فعل وحشیانہ ہے۔

اسلام نے خون ریزی سے بچنے کے لیے قصاص کا حکم دیا ہے اور اسے زندگانی سے تعبیر کیا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی مقتول کے ورثاء کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ معاف کر دیں یا خون بہا وصول کر لیں یا پھر قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔ لیکن اس میں زیادتی نہ ہو۔ قتل میں زیادتی کا مفہوم یہ ہے کہ اس طرح قصاص لیا جائے جس طرح قاتل نے قتل کیا تھا اور اس کا بھی خیال رہے کہ قاتل کی جگہ کسی دوسرے بے گناہ کو ہرگز قتل نہ کیا جائے کہ اس میں زندگانی کی بجائے فساد ہے۔ خون ریزی اور فتنہ وفساد سے بچاؤ کے لیے اسلام کا منصفانہ فعل ہی حکیمانہ ہے۔

❀❀❀

افتـاء

☆......مسئلہ وراثت۔

☆......وقت سے پہلے مؤذن کی غلطی پر روزہ افطار کرنا۔

☆......جرابوں پر مسح کے وقت کی ابتدا۔

مفتی محمد عبیداللہ خاں عفیف ﷾(بانی مسجد امۃ العزیز اہل حدیث ،فیصل آباد)

سوال شیخ غلام رسول کی ملکیت ایک عدد پلاٹ، ایک دُکان اور ایک مکان مع دکانیں ہیں۔ ایک بیٹا محمد صدیق ان کی زندگی میں فوت ہو گیا تھا۔ شیخ غلام رسول کو فوت ہوئے چھ سال ہو چکے ہیں۔ ان کی اولاد میں بہ وقت فوتیدگی چھ بیٹے اور تین بیٹیاں زندہ تھیں۔ وہ اپنی زندگی میں کہتے تھے کہ میں اپنی جائیداد میں سے محمد صدیق کی اولاد کو حصہ دوں گا۔ اس بات کے گواہ دو بیٹیوں کے علاوہ ان کے دوست بھی ہیں۔ شیخ غلام رسول جب فوت ہوئے ان کے مکان میں دو بیٹیوں کی رہائش تھی اور چھ سال سے دکانوں کا کرایہ باقی تین بیٹے لے رہے ہیں۔ اس صورت حال میں کرایہ اور رہائش کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا محمد صدیق کی اولاد حصے کی حق دار ہے؟

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب .

بہ شرط صحت سوال

مورث: شیخ غلام رسول، بیوہ، ۳ بیٹیاں، ۶ بیٹے۔

وراثت: کل جائیداد (پلاٹ، مکان، دکان) اندازاً ایک کروڑ (10000000) روپے۔

اگر بیوہ زندہ ہے تو بہ حکم:

﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ﴾[النساء:۱۲]

’’اگر تمھارے ہاں اولاد ہے تو بیویوں کو تمھارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا وصیت پر عمل اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔‘‘

اور ہر ایک لڑکی کو لڑکے کے مقابلے میں نصف ملے گا:

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾[النساء:۱۱]

’’لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصہ ملے گا۔‘‘

لہٰذا بالفرض پلاٹ، مکان اور دکانوں وغیرہ کی حالیہ قیمت و مالیت ایک کروڑ (10000000) روپے ہو تو:

بیوہ کو: 1250000 روپے۔

۳ بیٹیوں کو: 1749999-99 روپے۔

۶ بیٹوں کو: 6999999-96 روپے۔

بشرط کہ متوفی غلام رسول کے ذمہ قرض ہو اور نہ اس نے کوئی وصیت کی ہو۔

اور اگر بیوہ زندہ نہ ہو تو ورثاء (۶ بیٹے اور ۳ بیٹیاں) کے درمیان ترکے کی تقسیم یوں ہو گی بشرط کہ متوفی نے اپنے ذمہ قرض نہ چھوڑا ہو اور نہ اس نے کوئی وصیت کی ہو:

۶ بیٹوں کو: 1333333.34 x 6 = 7999998.4

۳ بیٹیوں کو: 666666.67 x 3 = 2000000.1

وضاحت: محمد صدیق ولد غلام رسول کی اولاد محروم ہے۔ ہاں، چچے ان کا تعاون کرتے رہیں کہ صلہ رحمی اور تعاون علی البر احوط ہے۔

مفتی کسی قانونی جھمیلے اور سقم کا ہرگز ذمہ دار نہ ہو گا۔

هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب في يوم الحساب .



سوال (۱)...... بندہ رمضان المبارک کے چھوٹے روزوں کی گنتی پوری کر رہا ہے، مسجد کے مؤذن نے غلطی سے مغرب کی اذان دس

منٹ پہلے کہہ دی اور میں نے اذان ہوتے ہی روزہ افطار کرلیا، پھر پتا چلا کہ افطاری وقت سے پہلے ہوگئی ہے۔اب اس روزے کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟

(۲)......مقیم آدمی جرابوں پر ایک دن اور رات مسح کرسکتا ہے، وہ مدت کیسے شمار کرے؟ فجر کے وقت وضو کرکے جرابیں پہن لے اور پھر ظہر کے وقت وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا۔تو کیا اگلے دن ظہر تک مسح کر سکتا ہے یا فجر تک؟ اور باریک جرابوں پر، جن سے پاؤں نظر آتے ہوں، مسح درست ہے؟ پھٹی ہوئی جرابوں پر مسح کرسکتا ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو۔آمین (ثناءاللہ، بکھی سندھواں)

الجواب بعون الوهاب ومنه الصدق والصواب .

(۱)......اگر افطاری کے بعد کچھ مزید کھایا پیا نہیں تو اُمید ہے کہ آپ کا روزہ پورا ہوگیا، اس لیے کہ میرے نزدیک یہ افطاری بھول چوک کے حکم میں ہے کیوں کہ مؤذن نے آپ کو بھول میں ڈالا ہے۔ تاہم محتاط اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کی جگہ روزہ رکھ لیں۔اقرب الی التقوی روزہ رکھ لیناہی ہے۔ هذا ما عندي والله تعالى أعلم .

(۲)......مسح کا وقت اور اس کی مدت اس وقت شروع ہوگی جب جرابوں والا وضو ضائع ہوگا، مثلاً: اگر آپ مکمل وضو کے بعد جرابیں پہن لیتے ہیں مگر اسی وضو کے ساتھ آپ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں تو مسح کی مدت آئندہ ظہر تک ہے، لہٰذا آئندہ ظہر کے لیے از سرِ نَو وضو کرنا ہوگا۔هذا ما عندي والله تعالى أعلم .

اگر جرابیں اتنی باریک اور پتلی ہیں کہ پاؤں، یعنی پاؤں کی جلد نظر آتی ہوتو ایسی جرابوں پر مسح کرنا درست نہیں۔تاہم اگر جراب میں چھوٹا موٹا سوراخ ہوتو مسح کرنا جائز ہے، ورنہ نہیں۔هذا ما عندي والله تعالىٰ أعلم .



طالبات کے لیے خوش خبری

جامعہ سلفیہ للبنات اہل حدیث چوک بیگم کوٹ شاہدرہ لاہور میں طالبات کے لیے تجوید وقراءت کورس کا آغاز ہورہا ہے۔یہ کورس ۱۵ جنوری سے ۱۵ مارچ ۲۰۱۴ء (دوماہ) جاری رہے گا۔

تجوید وقراءت کے ماہر، قاری سعیداللہ سعید بخاری تدریسی اُمور سرانجام دیں گے۔

مقامی وبیرونی طالبات کے لیے داخلے جاری ہیں۔قیام وطعام بہ ذمہ ادارہ ہوں گے۔سرپرست کے ہم راہ شناختی کارڈ کے ساتھ رابطہ کریں۔

من جانب: اُم انعام اللہ ارشد، مدیرہ جامعہ ہذا



مولانا پیر فیض اللہ شاہ چشتی کی رحلت

مرکزی جمعیت اہل حدیث کلیانہ ضلع پاک پتن کے رہنما مولانا پیر فیض اللہ شاہ چشتی ۲ جنوری ۲۰۱۴ء بروز جمعرات علی الصبح وفات پاگئے۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم اپنے علاقے کے معروف زمیندار اور عالم دین تھے۔سیاسی وسماجی خدمات کے حوالے سے بھی مشہور تھے۔ان کی نماز جنازہ میں علاقے بھر سے اہل حدیث عوام وخواص اور علمائے کرام نے بھرپور شرکت کی۔اُنھوں نے پسماندگان میں پیر سیف اللہ، پیر نصر اللہ، پیر ضیاء اللہ اور ایک بیٹی سوگوار چھوڑے ہیں۔مرحوم کی نماز جنازہ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید راشد ہزاروی نے پڑھائی۔ادارہ دارالحدیث اوکاڑا کے طلباء اور اساتذہ بھی جنازے میں شریک ہوئے۔

من جانب: عبداللہ یوسف، ناظم دارالحدیث اوکاڑا



حجیتِ حدیث

اتباعِ رسول ﷺ یا تقلید ائمہ......!

حافظ ذوالفقار علی (شیخ الحدیث ابو ہریرہ شریعہ کالج، لاہور)

بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو نیک و بد میں تمیز کی صلاحیت اور عقل وشعور سے بہرہ مند فرمایا ہے۔ مگر اس کی عقل کا دائرہ کار محدود ہے اور اس میں غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے، اس لیے انسان ہدایت و رہنمائی کے لیے نبوت ورسالت کا محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو جنت سے زمین پر اُتارا تو ارشاد فرمایا:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ [البقرة:٣٨]

''ہم نے کہا: تم سب یہاں سے اتر جاؤ، پھر جب تمھارے پاس میری ہدایت پہنچے تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔''

نیز یہ بھی واضح کر دیا کہ رشد وہدایت کے لیے تمھارا وحیِ الٰہی کی پیروی کرنا لازم ہے اور اسی میں تمھاری راحت، اطمینان وسکون اور کامیابی کا راز پنہاں ہے:

﴿قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَ لَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾﴾ [طه:١٢٣]

''اللہ نے فرمایا: تم دونوں یہاں سے اتر جاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو، اب جب کبھی تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ مشقت میں پڑے گا۔''

پھر تاریخِ انسانی کے ابتدائی دور میں اولادِ آدم کو بھی واضح طور پر یہ بات سمجھا دی گئی کہ تمھاری رشد وہدایت کے لیے وقتاً فوقتاً وحیِ الٰہی کا نزول ہوتا رہے گا تو جو لوگ اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں گے وہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہوں گے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾﴾ [الأعراف:٣٥]

''اے اولادِ آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ تمھارے پاس تمھی میں سے پیغمبر آئیں جو تم کو میرے احکام پڑھ کر سنائیں تو جو لوگ (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) بُرائیوں سے بچ جائیں گے اور خود کو سنوار لیں گے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''

آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی امت کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ تم صرف اللہ کی طرف سے نازل شدہ وحی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ کسی نظام وقانون کے پیچھے نہ چلنا:

❁.... ﴿اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ﴾ [الأنعام:١٠٦]

''اے نبی! تمھاری طرف جو وحی کی گئی ہے تم اسی کی پیروی کرو۔''

❁.... ﴿اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٣﴾﴾ [الأعراف:٣]

''اے لوگو! جو کتاب تمھارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے تم اس کی پیروی کرو، اس کو چھوڑ کر خود ساختہ سرپرستوں

کے پیچھے نہ چلو، تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

❁.....﴿فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ﴾ [الزخرف:۴۳]

''اے پیغمبر! تم پر جو وحی نازل کی گئی ہے اسے مضبوطی سے تھامے رکھو۔''

اس حکم کے مطابق نبی ﷺ ہر معاملے میں وحیِ الٰہی کو مدّنظر رکھتے تھے۔ قرآن مجید میں تین جگہ آپ ﷺ کا کردار و عمل یہ بتلایا گیا ہے:

﴿اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ﴾ [الأنعام: ۵۰، یونس: ۱۵، الأحقاف: ۹]

''میں تو صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔''

وحیِ الٰہی اور نبیوں کے ذریعے رشد و ہدایت کا سلسلہ سیّدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر پایہ تکمیل کو پہنچا اور آپ ﷺ کی وفات حسرت آیات سے تین ماہ قبل حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں اہلِ اسلام کو یہ خوش خبری سنادی گئی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدۃ: ۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمھارے لیے اسلام کو بہ طور دین پسند کر لیا ہے۔''

اس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے جو نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔

وحی کی قسمیں:

۱۔ قرآن مجید ۲۔ ارشاداتِ نبوی ﷺ

قرآن مجید کی کئی آیات سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ پر قرآنی آیات کے علاوہ بھی وحی نازل ہوا کرتی تھی:

①...... نبی ﷺ ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے رہے۔ بعد میں خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس تبدیلی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم بھی من جانب اللہ تھا اور اب یہ تبدیلی بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ [البقرۃ: ۱۴۳]

''اور جس قبلے پر آپ تھے اسے ہم نے اس لیے قبلہ بنایا تھا تا کہ یہ جان لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنے پاؤں پر اُلٹا پھر جاتا ہے۔''

حالانکہ بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے کا حکم قرآن کی کسی آیت میں ذکر نہیں ہے مگر اس کے باوجود قرآن نے اسے اللہ کا حکم قرار دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر قرآنی آیات کے علاوہ بھی وحی کا نزول ہوتا تھا۔

②......غزوۂ بدر کے موقع پر مسلمان جب نبی ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے بدر کی طرف جا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا کہ دو باتوں میں سے ایک ضرور تمھیں حاصل ہوگی؛ یا اہلِ مکہ کا تجارتی قافلہ تمھارے ہاتھ آئے گا جو شام سے مکہ واپس آ رہا تھا یا تمھیں اہل مکہ پر فتح حاصل ہوگی:

﴿وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ﴾ [الأنفال: ۷]

''اور جب اللہ تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرما رہا تھا کہ وہ ضرور تمھارے ہاتھ آئے گی۔''

مسلمانوں کے ساتھ اللہ کا یہ وعدہ بھی اس وحی کے ذریعے تھا جو پورے قرآن میں کہیں بھی بیان نہیں ہوئی۔

③...... نبی ﷺ نے جب اپنے متبنّیٰ (منہ بولے بیٹے) حضرت زید رضی اللہ عنہ کی مطلقہ بیوی سے نکاح کیا تو مخالفینِ اسلام نے آپ ﷺ کے خلاف پراپیگنڈے کا طوفان کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی نے یہ نکاح خود نہیں کیا بلکہ ہمارے حکم سے کیا ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَاۗىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ [الأحزاب: ٣٧]

''جب زید اپنی بیوی سے تعلق ختم کر چکے تو ہم نے اس سے آپ کا نکاح کر دیا تا کہ مسلمانوں کے لیے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ انھیں طلاق دے چکے ہوں اور اللہ کے حکم پر عمل ہو کر رہتا ہے۔''

لیکن قرآن مجید میں یہ حکم کہیں نہیں ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی کوئی وحی تھی جس کے ذریعے یہ حکم دیا گیا۔

④...... یہودیوں کے مشہور قبیلہ بنو نضیر کے خلاف کارروائی کے دوران اسلامی لشکر نے جنابِ رسالت مآب ﷺ کے حکم سے ان کے باغات سے کچھ درخت کاٹ دیے، اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ درخت ہمارے حکم سے کاٹے گئے:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ [الحشر: ٥]

''تم نے جو کھجوروں کے درخت کاٹے یا انھیں اپنی جڑوں پر قائم رہنے دیا، یہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور یہ اس لیے تھا تا کہ اللہ نافرمانوں کو ذلیل کرے۔''

یہ حکم بھی اس وحی کے ذریعے تھا جس ذکر کا قرآن میں موجود نہیں۔

⑤...... ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی کو ایک راز کی بات بتائی۔ اس نے وہ بات آپ ﷺ کی کسی دوسری بیوی کو بتا دی۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس واقعے کی اطلاع دے دی، پھر جب آپ ﷺ نے اس بیوی سے باز پُرس کی تو اس نے پوچھا: آپ ﷺ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میں نے یہ راز کسی دوسری بیوی کے سامنے افشا کر دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ علیم وخبیر نے بتایا ہے:

﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ [التحریم: ٣]

''اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی، جب اس بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتا دی اور اللہ نے یہ بات نبی پر ظاہر کر دی تو نبی نے اس کا کچھ حصہ جتلا دیا اور کچھ حصے کو نظر انداز کر دیا، پھر جب نبی نے اس بیوی سے اس بات کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے خدائے علیم وخبیر نے بتلایا ہے۔''

ظاہر ہے یہ اطلاع بھی آپ ﷺ کو بہ ذریعہ وحی دی گئی۔ مگر یہ وحی قرآن کا حصہ نہیں ہے، جو اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ﷺ پر قرآنی آیات کے علاوہ بھی وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

نیز قرآن پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر کتاب کے ساتھ ساتھ ایک دوسری چیز حکمت بھی نازل ہوتی تھی:

❁....﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾

[البقرة: ٢٣١]

''اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا اسے اور جو کتاب وحکمت تمھیں نصیحت کرنے کے لیے نازل فرمائی انھیں یاد رکھو۔''

❁.....﴿وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا۝﴾

[النساء: ١١٣]

''اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور آپ کو وہ باتیں سکھائی جو آپ کو معلوم نہیں تھیں۔''

حکمت سے مراد سنت ہے۔(تفسیر ابن کثیر: ۱/۳۶۸،۷۲۵)

آپ کا ارشادِ گرامی:

((ألا إني أوتيت الكتاب و مثله معه .))

(أبو داود: باب في لزوم السنة)

''آگاہ ہو جاؤ کہ مجھے کتاب اور اس جیسی ایک اور چیز (حدیث) بھی دی گئی ہے۔''

صرف یہی نہیں بلکہ قرآن نے ہمیں ایک مستقل اصول عطا فرمایا ہے کہ دینی معاملات اور شرعی احکام کے بارے میں حضور نبی کریم ﷺ کی زبان سے نکلنے والا ہر لفظ وحیِ الٰہی کا ترجمان ہے:

﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۝﴾

[النجم: ٣،٤]

''نبی ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے۔ یہ تو خالص وحی ہے جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے۔''

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو جو احکام دیے وہ وحیِ الٰہی پر مبنی تھے، یعنی قرآن حکیم کی طرح حدیث نبوی بھی وحیِ الٰہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو براہِ راست اپنی اطاعت اور آپ ﷺ کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیا ہے:

❁.....﴿مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾[النساء: ٨٠]

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

❁.....﴿ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِّ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۝﴾[الحشر: ٤]

''یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ بڑے سخت عذاب والا ہے۔''

اسی طرح حدیبیہ کے میدان میں جب صحابہ کرام آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس بیعت کو براہِ راست اپنے ہاتھ پر بیعت قرار دیا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾[الفتح: ١٠]

''اے پیغمبر! جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔''

البتہ قرآن پاک اور حدیث مبارک کی نوعیت و کیفیت میں فرق ہے۔

قرآن اور حدیث میں فرق:

۱: قرآن مجید کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس کے مقابلے میں حدیث کے صرف معانی آپ ﷺ پر نازل ہوئے اور ان کا مفہوم آپ ﷺ نے اپنے الفاظ میں بیان فرمایا، سوائے حدیث قدسی کے۔

۲: قرآن مجید کی تلاوت عبادت ہے کہ اس کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں۔ لیکن حدیث کے الفاظ کی تلاوت عبادت میں شامل نہیں ہے۔

۳: قرآن مجید ایک معجزہ ہے جس کی نظیر پیش کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے:

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا۝﴾[بني إسرائيل: ٨٨]

''اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اگر تمام جن اور انسان اس

قرآن جیسا کلام بنانے کے لیے اکھٹے ہو جائیں تب بھی وہ اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے، خواہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔''

اس کے برعکس حدیث معجزہ نہیں ہے کہ اس کے الفاظ اور عبارات نہ بنائیں جا سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹے لوگوں نے بے شمار احادیث بنائیں جنھیں محدثین کرام نے صحیح احادیث سے الگ کیا۔

۴: قرآن مجید لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں اور وہاں سے حسبِ ضرورت نازل ہوتا رہا:

﴿بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌo فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍo﴾

[البروج : ۲۰،۲۱]

''بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں درج ہے۔''

جب کہ حدیث نبوی کے لوحِ محفوظ میں لکھے ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

حدیث نبوی پر عمل:

لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی ﷺ کے دیے ہوئے احکام وحیِ الٰہی پر مبنی ہیں، اس لیے قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آیاتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کے ارشادات و فرامین کو بھی دستور العمل اور حرزِ جان بنانے کا حکم دیا ہے:

❁.....﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَo﴾[آل عمران:۳۲]

''اے نبی! فرمادیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

❁.....﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

[آل عمران :۱۳۲]

''اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''

❁.....﴿وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَo﴾[الأنفال :۱]

''اگر تم واقعی مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔''

❁.....﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَo﴾[الأنفال :۲۰]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے اعراض نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو۔''

❁.....﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾[الأنفال :۲۴]

''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جب وہ تمھیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمھیں زندگی بخشنے والی ہے۔''

❁.....﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ﴾[محمد: ۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔''

❁.....﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾[الحشر:۷]

''جو رسول تمھیں دے اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔''

نیز آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو ہمارے لیے بہترین نمونہ قرار دے کر یہ ہدایت فرمائی کہ ہم ہر معاملے میں آپ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلیں:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾

[الأحزاب :۲۱]

''تمھارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔''

اسی سلسلے میں آپ ﷺ کی زبان اقدس سے یہ اعلان بھی کروایا ہے کہ اگر تم محبتِ الٰہی کے دعوے میں سچے ہو تو میری اتباع کر کے اس

کا عملی ثبوت پیش کرو:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ [آل عمران:۳۱]

''اے پیغمبر! لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

ایک جگہ سچے مسلمانوں کی یہ خصوصیت ذکر فرمائی کہ وہ رسول کے ہر حکم کے سامنے بلا تامل سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [النور:۵۱]

''ایمان والوں کا شیوہ یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور تسلیم کر لیا اور ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

مزید برآں قرآن پاک نے یہ ہدایت بھی کی ہے کہ اگر کسی معاملے میں اختلاف ہو جائے تو فیصلے کے لیے کتاب وسنت کی طرف ہی رجوع کیا جائے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ [النساء:۵۹]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں ان کی بھی اطاعت کرو، اگر تمھارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لے جاؤ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے۔''

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر تمام اختلافات میں رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع اور آپ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کو ایمان کی بنیادی شرط قرار دی گئی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [النساء:۶۵]

''اے نبی! مجھے اپنے رب ہونے کی قسم، یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے اختلافات میں آپ سے فیصلہ نہ کرائیں، پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اسے بسر وچشم قبول کریں۔''

دین کی بنیاد:

اس تفصیل سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ ہمارے دین کا سرچشمہ اور مرکز صرف قرآن وسنت ہے۔ ان کے علاوہ ہم کسی شخصیت کی غیر مشروط اطاعت کے پابند نہیں ہیں، لہٰذا ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ ان دونوں پر مضبوطی سے قائم رہے، نہ ان سے انحراف کرے اور نہ کسی امام، فقیہ، مجتہد یا کسی محدث اور عالم کے فکر وفلسفے کو ان کے مقابلے میں قبول کرے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں انھی دو پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يا أيها الناس! إني قد تركت فيكم ما إن اعتصمتم به فلن تضلوا أبدا؛ كتاب الله وسنة نبيه .))(مستدرك حاكم:۱/ ۱۷۱)

''اے لوگو! میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم ان پر مضبوطی سے قائم رہو گے اس وقت تک تم گمراہ نہیں

ہوگے؛ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اس کے نبی کی سنت۔''

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ! بعض اوقات ہم یہودیوں سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں، کیا ہم ان میں سے کچھ باتیں نوٹ کرلیا کریں؟ آپ ﷺ نے اس سوال پر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

((أمتهوكون أنتم كما تهوكت اليهود و النصارى ! لقد جئتكم بها بيضاء نقية ، ولو كان موسى حيا ما وسعه إلا اتباعي .))

(مشكاة: باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

''کیا تم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنے دین کے بارے میں تذبذب کا شکار ہونا چاہتے ہو(کہ جس طرح انھوں نے تورات وانجیل کو پس پشت ڈال کر اپنے علماء کے آراء کو دین سمجھ لیا تھا،تم بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہو!) یقیناً میں نے تمھارے سامنے دین اسلام بالکل روشن اور شفاف صورت میں رکھ دیا۔اگر آج موسی علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔''

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((والذي نفس محمد بيده ، لوبدا لكم موسى فاتبعتموه و تركتموني لضللتم عن سواء السبيل ، ولو كان حيا وأدرك نبوتي لا تبعن .))

(مشكاة: باب الاعتصام بالكتاب والسنة)

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے،اگر تمھارے پاس موسی علیہ السلام آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی کرنے لگو تو تم سیدھے راستے سے گمراہ ہوجاؤ گے اور اگر موسی علیہ السلام زندہ ہوتے اور میری نبوت پالیتے تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔''

تمام صحابہ،تابعین اور آئمہ مجتہدین کا یہی عقیدہ تھا کہ جب کسی مسلمان کے سامنے کتاب وسنت کا کوئی حکم بیان کردیا جائے تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے قول کی بنا پر اسے ترک کردے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حج تمتع کے بارے میں پوچھا گیا۔انھوں نے فرمایا: یہ جائز ہے۔سائل نے کہا: آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس سے منع کرتے تھے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"أ أمر أبي نتبع أم أمر رسول الله ﷺ ؟ فقال الرجل: بل أمر رسول الله ﷺ ، فقال: لقد صنعها رسول الله ﷺ . "

(سنن الترمذي:باب ماجاء في التمتع)

''کیا ہم میرے باپ کی اتباع کریں گے یا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی ؟اس شخص نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے حکم کی۔اس پر حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو ایسا کیا ہے۔''

تقلید کی شرعی حیثیت:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

"إذا صح الحديث فهو مذهبي . "

(الشامي:١/ ٦٨)

''جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔''

بعینہ یہی بات امام مالک،امام احمد بن حنبل اور امام شافعی سے بھی مروی ہے۔(شامی: باب الاذان)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس فرمان سے ان لوگوں کی تردید ہورہی ہے جو واضح احادیث کے ہوتے ہوئے بھی ان کے اقوال پر ہی عمل کرتے ہیں اور احادیث سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے اور مختلف قسم کی دُوراز کار تاویلیں ڈھونڈتے ہیں۔اور جب کوئی جواب نہیں دے پاتے تو یہ کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو

ان احادیث کا ہم سے زیادہ علم تھا۔ بلکہ جو شخص ان کے سامنے احادیث پیش کرے اس کو غیر مُقلّد، لامذہب اور وہابی ہونے کے طعنے دیتے ہیں حالانکہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے خود یہ فرمایا ہے کہ جب تک ان کی بات کو قرآن وحدیث کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے اس وقت تک اس کے مطابق فتوی نہ دیا جائے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

"وفي اليواقيت والجواهر أنه روي عن أبي حنيفة رحمه الله أنه كان يقول: لا ينبغي لمن لم يعرف دليلي أن يفتي بكلامي."

"(شیخ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب) "الیواقیت والجواہر" میں امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا: جس شخص کو میرے قول کی دلیل معلوم نہ ہو اُس کے لیے میرے قول کے مطابق فتوی دینا جائز نہیں ہے۔"

بلاشبہ امام موصوف اور دیگر آئمہ کرام دین کی فقاہت کے بلند ترین مرتبے پر فائز تھے مگر اللہ تعالیٰ نے یہ مقام اپنے رسول کے علاوہ کسی کو عطا نہیں فرمایا کہ اس کی ہر بات آنکھیں بند کرکے تسلیم کرلی جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ کسی امام یا مجتہد کے قول کی دلیل معلوم کیے بغیر اس پر عمل کرنے کو فقہ کی اصطلاح میں تقلید کہا جاتا ہے اور تقلید کرنے والے کو مُقلّد کہتے ہیں۔ تقلید کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ انسان دین کے حقیقی اور اساسی مرکز قرآن وحدیث سے دور ہوجاتا ہے کیوں کہ وہ ان سے براہِ راست تعلق قائم رکھنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کرتا بلکہ ان کی جگہ اپنے امام کی فقہ کو ہی کافی سمجھتا ہے اور ہر مسئلے میں اپنے امام کے مسلک کو ہی ترجیح دیتا ہے، خواہ وہ دلائل کے لحاظ سے کتنا ہی کمزور ہو۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی فکر ونظر میں جمود پیدا ہوجاتا ہے اور وہ تنگ نظری، تعصب اور فرقہ بندی کا شکار ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن آئمہ کرام کی تقلید کی جارہی ہے خود انھوں نے بھی اس سے براءت کا اظہار فرمایا ہے اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ ان کے اقوال کو تنقید سے بالاتر تصور نہ کیا جائے بلکہ قرآن وحدیث کی کسوٹی پر جانچ کر قبول کیا جائے۔

گزشتہ سطور میں آپ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ فرمان پڑھ چکے ہیں کہ جب تک ان کے قول کی دلیل معلوم نہ ہو تب تک اس کے مطابق فتوی نہ دیا جائے۔ اسی طرح حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"مامن أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه ومردود عليه إلا رسول الله ﷺ."

(حجة الله البالغة)

"اللہ ﷺ کے رسول علاوہ ہر شخص کی کچھ باتیں قابل قبول ہوتی ہیں اور کچھ چھوڑ دینے کے لائق۔"

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے:

"إذا رأيتم كلامي يخالف الحديث فاعملوا بالحديث واضربوا بكلامي الحائط."

(حجة الله البالغة)

"جب تم میری بات حدیث کے خلاف دیکھو تو حدیث پر عمل کرو اور میری بات کو دیوار پر دے مارو۔"

یہی بات حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ایک شخص سے فرمائی:

"لا تقلدوني ولا تقلدن مالكا ولا الأوزاعي ولا النخعي ولا غيرهم، وخذ الأحكام من حيث أخذوا؛ من الكتاب والسنة."

(حجة الله البالغة)

"تم میری بات اندھادھند مت مانو اور مالک، اوزاعی نخعی وغیرہ کی تقلید بھی نہ کرو بلکہ وہیں سے احکام لو جہاں سے انھوں نے لیے تھے، یعنی کتاب وسنت سے۔"

امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام ابویوسف اور امام زفر فرماتے ہیں:

"کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے وہ بات کہاں

سے لی ہے۔‘‘(حجۃ اللہ البالغہ)

ان آئمہ مجتہدین کے مذکورہ بالا ارشادات سے یہ واضح ہوا کہ ہمیں دین کے مسائل براہِ راست قرآن وحدیث سے ہی معلوم کرنے چاہیے اور انھی پر ہی عمل کرنا چاہیے۔ دین کے مقابلے میں کسی کی بات قبول نہیں کرنی چاہیے، خواہ اس بات کا کہنے والا کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو۔

ایک غلط فہمی:

حقیقت یہی ہے کہ ایک عام آدمی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ہر مسئلے کا حل براہِ راست قرآن وسنت سے معلوم کر سکے بلکہ اسے کسی قابل اعتماد عالم دین کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

[النحل :٤٣]

’’اگر تمھیں خود علم نہیں تو علم والوں سے پوچھ لیا کرو۔‘‘

اس آیت میں یہ حکم ہے کہ غیر عالم کو عالم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

غلط فہمی کا ازالہ:

مقلدین حضرات اس سے تقلید کا جواز بلکہ وجوب نکالتے ہیں جو درست نہیں ہے، اس لیے کہ محض کسی عالم دین سے قرآن وسنت کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل دریافت کرنے سے انسان اس عالم کا مقلد نہیں بن جاتا جب تک اس کی بات پر اندھا اعتماد نہ کیا جائے۔ خود اہل تقلید اپنے علماء سے روزانہ مسائل پوچھتے ہیں اور وہ اپنے امام کے اصولوں کی روشنی میں ان کا حل بتاتے ہیں تو کیا وہ ان علماء کی تقلید کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ اپنے امام کے ہی مقلد ہوتے ہیں۔

جس طرح اپنے امام کی فقہ کے مطابق کسی عالم سے مسئلہ پوچھنا اس عالم کی تقلید نہیں کہلاتا، اسی طرح کسی عالم دین سے قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ دریافت کرنے کو تقلید نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی اطاعت کہتے ہیں۔ اسی لیے اہل علم تقلید کی بحث میں یہ وضاحت فرماتے ہیں کہ ایک عام آدمی کا کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھنا تقلید نہیں ہے۔

حدیثِ رسول ﷺ کی مقدس دستاویزات:

حضور نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی کو دنیا میں عملی نمونے کی حیثیت سے بھیجا گیا، اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک کے ساتھ آپ ﷺ کے ارشادات ومعمولات کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے آپ ﷺ کا عملی نمونہ باقی رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے محدثین کرام کو پیدا فرمایا جنھوں نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے آپ ﷺ کے تمام فرمودات اور شب وروز کے معمولات کو کتابی شکل میں جمع کر کے آئندہ نسلوں کے لیے محفوظ کر دیا۔ گویا یہ کتب آپ ﷺ کی پوری زندگی کا ریکارڈ ہیں۔ اب کسی ایسی روایت کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا جو حدیث کی کسی کتاب میں موجود نہ ہو۔

بلاشبہ حدیث کی ہر کتاب ایک عظیم کارنامہ ہے جس پر اُمتِ محمدیہ بجا طور پر فخر کر سکتی ہے مگر جو حیثیت اور مقام ومرتبہ بخاری ومسلم کو حاصل ہے وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہوا۔ کتب حدیث میں سے یہ شرف صرف انھی دو کے حصے میں آیا ہے کہ ان کی بنیادی روایات کو تمام مکاتب فکر کے علماء صحیح سمجھتے ہیں۔ اسی لیے ان دونوں کو صحیحین کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"أما الصحيحان فقد اتفق المحدثون على أن جميع ما فيهما من المتصل المرفوع صحيح بالقطع، وأنهما متواتران إلى مصنفيهما، وأنه كل من يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين."

(حجة الله البالغة: طبقات كتب الحديث)

’’اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ بخاری ومسلم کی وہ تمام روایات جو باسند نبی ﷺ کی طرف منسوب ہیں وہ سب یقینی طور پر صحیح

ہیں اوران کتابوں کی اپنی مصنفین کی طرف نسبت قطعی طور پر صحیح ہے۔ جو ان کا مقام ومرتبہ گھٹاتا ہے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کے علاوہ کسی اور راہ کا متلاشی ہے۔''

دیوبندی مکتب فکر کے معروف عالم مولانا محمد ادریس کاندھلوی لکھتے ہیں:

''امتِ محمدیہ کا اجماع ہے کہ قرآن کریم کے بعد صحت اور وثاقت میں صحیح بخاری کا درجہ ہے اوراس کے بعد صحیح مسلم کا رتبہ ہے۔ یہ دونوں کتابیں امت محمدیہ میں صحیحین کے لقب سے ملقب ہیں۔'' (حجیت حدیث،ص:۱۷۷)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''جس شان سے صحیح بخاری کی تالیف عمل میں آئی وہ بھی ایک کرامت ہے، وہ یہ کہ امام بخاری جب کسی حدیث کے لکھنے کا ارادہ کرتے تو اول غسل کر کے دو رکعت نماز ادا کرتے اوراس کے بعد حدیث کو لکھتے۔اس طرح سولہ سال کے عرصے میں اس تالیف لطیف سے فراغت پائی۔اوراسی طرح تراجم ابواب کو خاص طور پر مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک اور منبر نبوی ﷺ کے درمیان میں بیٹھ کر لکھا اور ہر ترجمۃ الباب لکھنے کے وقت دو رکعت نفل ادا کرتے۔''

اس اخلاص اورحسنِ نیت کا یہ نتیجہ ہوا کہ الجامع الصحیح اتنی مقبول ہوئی کہ ان کی زندگی میں نوے ہزار آدمیوں نے بلا واسطہ امام بخاری سے یہ کتاب سنی اور پڑھی اور ان کی وفات کے بعد مشرق ،مغرب،شمال،جنوب،مسجد حرام،مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ میں اس کا درس جاری ہوگیا اور اب تک جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گا۔(حجیت حدیث،ص۱۷۵)

مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''اللہ جل جلالہ نے ان کی جد وجہد ،فنی مہارت وعلمی استعداد اوران کے اخلاص اور رجوع الی اللہ کی برکت سے اس کتاب کو یہ مقام عطا فرمایا کہ جب منظر عام پر آئی اوراس کو اہل علم کے پاس پیش کیا گیا تو اہل علم نے اس کو " أصح الكتب بعد كتاب الله " (قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب) قرار دیا۔اور یہ اصح الکتب کا لقب محض عقیدت اور محبت میں نہیں دیا گیا بلکہ اس دور کے اوراس کے بعد کے دور کے محدثین ونقاد حدیث، ان سب نے خوردبین لگا کر اس کی ایک ایک روایت کا جائزہ لیا،سند کو پرکھا،متن کو جانچا اور سب کچھ کرنے کے بعد پھر یہ لقب دیا۔'' (انعام الباری:۱/۹۹)

بریلوی مسلک کے مشہور مفسر پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں:

''محنت ،مشقت ،اخلاص ،دیانت اور احتیاط واحساس ذمہ داری سے لکھے ہوئے اس شاہکار کو بارگاہِ الٰہی اور دربارِ رسالت پناہی میں وہ قبولیت نصیب ہوئی کہ سبحان اللہ!ابوزید مروزی (محدث) ذکر کرتے ہیں کہ میں مسجد حرام میں گیا اور مقام ابراہیم کے درمیان محو خواب تھا کہ فخر موجودات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔حضور نے ارشاد فرمایا:

اے ابوزید! چرا کتاب مرا درس نمی گوئی ؟ گفتم: یارسول اللہ! کتاب تو کدام است؟ گفت: کتاب محمد بن اسماعیل بخاری۔

یعنی اے ابوزید! تم میری کتاب کیوں نہیں پڑھاتے ؟ میں نے عرض کی: اے جان عالم! حضور کی کون سی کتاب ہے؟ ارشاد ہوا: محمد بن اسماعیل بخاری کی تصنیف کردہ کتاب۔

بخاری اپنے بخت فرخندہ پر جتنا فخر کریں اتنا کم اورامت مصطفوی اس نعمت عظمیٰ پر جتنا شکر ایزدی بجالائے اتنا تھوڑا ہے۔جمہور علمائے امت نے گہری فکر ونظر اور بے لاگ نقد

وتبصرہ کے بعد اس کتاب کو"أصح الكتب بعد كتاب الله صحيح البخاري" (قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری ہے) کا عظیم الشان لقب عطا فرمایا ہے۔"

(سنت خیر الانام،ص:۱۷۴،۱۷۵)

بریلوی مسلک ہی کے ایک اور عالم مولانا غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے امام بخاری کی صحیح کو بے پناہ مقبولیت عطا فرمائی۔قرآن کریم کے بعد جس کتاب پر سب سے زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے وہ صحیح بخاری ہے۔"

(تذکرۃ المحدثین،ص۱۹۷)

تفسیر تدبر قرآن کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحی اپنی کتاب "تدبر حدیث" میں صحیحین کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ذرا اندازہ کیجیے ان عظیم خادمانِ حدیث کی اس محنت شاقہ کا جو رَطب ویابس روایات کے انبار میں سے ان چند ہزار جواہر ریزوں کو چھانٹنے میں ان کو برداشت کرنی پڑی ہوگی، ان کی اس جاں گذار محنت ہی کی بدولت آپ کو یہ روایات ان کتابوں میں اس شکل میں ملتی ہیں کہ ثقہ کی ثقہ سے روایت کے زینے پر چڑھتے ہوئے آپ بغیر کسی شائبہ ارسال وانقطاع اور بدون کسی اندیشہ تدلیس کے جناب رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ اقدس تک پہنچ جاتے ہیں۔ بہر حال ان اماموں کی خدمت کی داد دیجیے۔ان کی یہی خدمت اتنی بڑی ہے کہ ہم ان کے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتے۔ان کے معیارِ صحت کی بنیاد پر اُمت نے صحیحین کو یہ درجہ دیا ہے کہ ان کا مقام صدر اوّل سے فن حدیث کی اُمہات کے طور پر رہا ہے اور یہ مقام موطأ امام مالک کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔" (تدبر حدیث،ص۱۵۲)

خلاصۂ کلام یہ کہ اصل دین صرف قرآن وحدیث ہے۔ ہر کسی کے قول وعمل کو اس کسوٹی پر پرکھ کر قبول کیا جائے۔جس کی بات اس کے مطابق نہ ہو اُس کو مسترد کر دیا جائے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا امام، فقیہ، مجتہد اور محدث کیوں نہ ہو۔ احادیث معلوم کرنے کا واحد ذریعہ کتب احادیث ہیں اور کتب احادیث میں بخاری ومسلم کو یہ مقام حاصل ہے کہ ان کی ہر روایت پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔



بقیہ : اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت ......

"وكان إذا صلى الصبح جلس مكانه يذكر الله حتى يتعالى النهار و يقول: هذه غدوتي لو لم أقعدها سقطت قواي."

(الدرر الكامنة: ۳/ ۴۰۱)

"جب وہ صبح کی نماز پڑھتے تو اپنی جگہ پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے رہتے حتی کہ خوب دن چڑھ جاتا اور کہتے: یہ میرا ناشتہ ہے۔اگر میں (ذکر کے لیے) نہ بیٹھوں تو میرے قویٰ ختم ہو جائیں۔"

یہ اُمور محبت کے قوی ہو جانے کے بعد ہوتے ہیں۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ معنوی محسوسات سے لاپروائی مادی محسوسات کی نسبت کم ہوتی ہے، یعنی غم وغیرہ کی دوری اور بھوک پیاس سے توجہ کا ہٹ جانا اکثر لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے، بہ خلاف مادی محسوسات کے۔اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ کوئی بھی مکروہ یا محبوب امر دل کا احاطہ کر لے تو حالت اسی طرح بن جاتی ہے۔ یہ صرف محبت ہی سے خاص نہیں ہے۔(جاری ہے)



مقالات علمیہ

قسط نمبر ٦

اللہ تعالیٰ اور بندے کی آپس میں محبت

اور اہل السنۃ والحدیث کے نزدیک اس کا معنی

موہب الرحیم

محبوب کے پسندیدہ کاموں کی بجا آوری:

مُحبّ کے ہاں پہلی ترجیح اپنے محبوب کے کام کی ہوتی ہے اور اس کے مقابلے میں وہ دوسرے کاموں کو بالکل اہمیت نہیں دیتا۔ اس کی ایک وجہ تو محبوب کی ناراضی کا خوف ہوتا ہے مگر اس سے بھی بڑھ کر وجہ دل کا محبوب سے وہ تعلق ہوتا ہے جو اس کو محبوب کی منشا پر چلنے، اسی کو راضی کرنے اور اس کی ملاقات پر اُبھارتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے مقرر وقت دیا، موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے پوچھا:

﴿وَ مَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝﴾[طٰه:٨٣،٨٤]

''اور تجھے تیری قوم سے جلد کیا چیز لے آئی، اے موسیٰ؟ کہا: وہ میرے نشانِ قدم پر ہیں اور میں تیری طرف جلد آ گیا اے میرے رب! تا کہ تُو راضی ہو جائے۔''

ہر مُحبّ اپنے محبوب کا مشتاق ہوتا ہے:

"عن قتادة قال: سمعت خليدا العصري في مسجد الجامع يقول: ألا إن كل حبيب يحب أن يلقى حبيبه ، ألا فأحبوا ربكم و سيروا إليه سيرا جميلا."(حلية:٢/ ٢٤١)

''قتادہ کہتے ہیں: میں نے خلید العصری سے جامع مسجد میں سنا، کہہ رہے تھے: لوگو! ہر مُحبّ اپنے محبوب سے ملنا پسند کرتا ہے، سنو! اپنے رب سے محبت کرو اور اس کی طرف اچھی پیش قدمی کرو۔''

پس یہ محبت کے لوازمات میں سے ہے کہ جو کام محبوب سے متعلق نہیں اس میں دل نہیں لگتا۔ اور چونکہ مُحبّ محبوب کے ساتھ تعلق خاطر رکھتا ہے، اس لیے وہ محبوب سے متعلقہ اُمور میں جلدی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا وَ كَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝﴾

[الأنبياء: ٨٩،٩٠]

''اور زکریا کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا: اے میرے رب! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تُو سب وارثوں سے بہتر ہے۔ تو ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے یحییٰ عطا کیا اور اس کی بیوی کو اس کے لیے درست کر دیا۔ بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔''

❁.....﴿لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝﴾[آل عمران:١١٣،١١٤]

''وہ سب برابر نہیں، اہل کتاب میں سے ایک جماعت قیام

کرنے والی ہے جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ سجدے بھی کرتے ہیں، وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نیکی کا حکم دیتے برائی سے روکتے ہیں اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے جلدی کرتے ہیں اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں۔''

۱۰۔محبوب سے طول کلام کی خواہش اور کوشش:

یہ بھی محبت کی علامات میں سے ہے کہ مُحبّ اپنے محبوب سے اس انداز سے گفتگو کرتا ہے کہ کلام ختم نہ ہو بلکہ طول پکڑتا جائے۔ اور اس حالت میں دل چسپ بات یہ ہوتی ہے کہ مُحبّ اردگرد کے ماحول سے لاعلم ہوتا جاتا ہے۔

کئی علماء نے موسیٰ علیہ السلام کے کلام میں مذکور ایک جملے کے یہی حکمت بیان کی ہے جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا:

﴿وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى۝قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى۝﴾ [طٰهٰ:۱۷، ۱۸]

''اور یہ تمھارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ؟ کہا: یہ میری لاٹھی ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس کے ساتھ اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں کئی اور ضرورتیں ہیں۔''

بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح گفتگو کی یہی وجہ ہے کیوں کہ اللہ نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام! اس سے کرتے کیا ہو؟

یہی اندازِ گفتگو اہل محبت میں عموماً ہوتا ہے کہ سائل، یعنی محبوب سوال کرتا ہے اور مُحبّ اس کے جواب میں وہ باتیں بھی بتا دیتا ہے جن کے بارے میں محبوب نے سوال نہیں کیا ہوتا کہ مُحبّ محض طول کلامی کا خواہش مند ہوتا ہے۔

۱۱۔محبوب کی معیت میں غموں اور پریشانیوں کو بھول جانا:

اسے بہ الفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ مُحبّ محبوب کی معیت میں معنوی محسوسات سے بالخصوص اور مادی محسوسات سے بالعموم بے خبر ہو جاتا ہے۔

معنوی محسوسات سے مراد بھوک پیاس، دکھ، پریشانی اور غم وغیرہ ہیں۔ اور مادی محسوسات سے مراد آس پاس کے ماحول اور اپنی ظاہری کیفیات سے بے خبری ہے۔

پھر اس میں دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جن کا مورود علیہ، یعنی دل مضبوط ہوتا ہے، خواہ وارد کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، یہ محسوسات سے مذموم حد تک بے خبر نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں کہ قوی وارد کو برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے فنا ہو جاتے ہیں۔

پہلے درجے کے لوگ افضل اور اُمت کے پہلے دور کے افراد ہیں جب کہ دوسرے گروہ کے لوگ فضول اور بعض کے نزدیک مبتدع ہیں۔

محبوب کے ساتھ مشغول ہوتے ہوئے ایک حد تک ماحول سے بے خبر ہونے میں کوئی عقل مند اور صاحب ہوش اختلاف نہیں کرے گا، جعفر بن حیان کہتے ہیں:

"ذكر لمسلم بن يسار قلة التفاته في صلاته، فقال: وما يدريكم أين قلبي!"

''مسلم بن یسار رحمہ اللہ سے نماز میں ان کی توجہ اور نماز سے باہر قلت التفات کا تذکرہ کیا گیا، کہنے لگے: تمھیں کیا خبر کہ میرا دل کہاں ہوتا ہے!''

حبیب بن الشہید کہتے ہیں:

"إن مسلم بن يسار كان قائما يصلي فوقع حريق إلى جنبه فما شعر به حتى طفئت النار."

''مسلم بن یسار کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، ان کے پہلو کی طرف آگ (کی چنگاری) آئی، آگ بجھ گئی مگر ان کو علم نہیں ہوا۔''

میمون بن حیان کہتے ہیں:

"ما رأيت مسلم بن يسار ملتفتا في صلاته

قط خفيفة ولا طويلة، ولقد انهدمت ناحية من المسجد ففزع أهل السوق لهدمه وإنه لفي المسجد في الصلاة فما التفت."

''میں نے مسلم بن یسار کو کبھی نماز کی حالت میں بے توجہ نہیں پایا۔ ایک بار مسجد کا ایک حصہ گر گیا، بازار کے لوگ گھبرا گئے کہ اندر مسلم بن یسار نماز پڑھ رہے ہیں۔ مگر مسلم بن یسار کو کچھ خبر نہ ہوئی۔''

ان آثار کو ابو نعیم الاصفہانی نے حلیة الأولياء (۳۰۴/۲، ۳۰۵) میں ذکر کیا ہے۔

صالحین میں یہ معروف امر ہے، یعنی نماز میں انتہائی خشوع و خضوع کہ ارد گرد سے بھی انسان غافل ہو جائے۔

اور یہ صرف محبت میں ہی نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی قسم کا امر؛ محبوب یا مکروہ، انسان کا احاطہ کر لے تو انسان باقی چیزوں سے بے خبر ہو جاتا ہے۔

مندرجہ بالا مثال تو مادی محسوسات سے بے خبر ہونے کی ہے، معنوی محسوسات سے بے خبر ہونے کی مثالیں بھی حدیث میں موجود ہیں۔ حدیث میں مذکور ہے:

"كان رسول الله ﷺ إذا حزبه أمر صلى."

(سنن أبي داود، رقم: ۱۳۱۹)

''جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی دشواری پیش آتی تو نماز پڑھتے۔''

اسی طرح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو وصل (مسلسل روزے کی حالت) سے منع فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: آپ ﷺ بھی تو وصل کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں:

((إني أظل يطعمني ربي ويسقيني.))

(صحيح بخاري، رقم: ۷۲٤۱، صحيح مسلم، رقم: ۱۱۰٤)

''مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔''

اس کے بارے میں اختلاف کہ یہ حقیقت میں کھانا ہے یا اس سے کچھ اور مراد ہے؟

کہا گیا ہے کہ یہ حقیقی طور پر کھانا اور پینا ہے۔ مگر اس صورت میں یہ وصال نہیں بنتا حالانکہ آپ ﷺ نے ان کی اس بات کو برقرار رکھا کہ ''آپ ﷺ تو وصل کرتے ہیں۔''

دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے قرب سے حاصل ہونے والی غذا ہے۔ یہی قول صحیح ہے ۔

لها أحاديث من ذكراك تشغلها
عن الطعام ويلهيها عن الزاد
لها بوجهك نور تستضيء به
وقت المسير وفي إعقابها حادي
إذا اشتكت من كلال السير أوعدها
روح القدوم فتحيا عند ميعاد

''تیری یاد سے اس کے لیے کچھ باتیں ہیں جو اس کو کھانے اور زادِ راہ سے مشغول کیے رکھتی ہیں۔ اس کے لیے تیرے چہرے کی یہ دولت نور ہے جس سے وہ چلنے کے وقت روشنی حاصل کرتی ہے اور اس کی ایڑیوں میں حدی خوان ہے، جب وہ چلنے سے تھکاوٹ کی شکایت کرتی ہے تو محبوب کے پاس آنے کی خوشی اسے وعدہ یاد دلاتی ہے، سو وہ اس وقت پھر تازہ دم ہو جاتی ہے۔''

أنت ربي إذا ظمئت إلى الما
ء وقوتي إذا أردت الطعاما

''تُو ہی میرا رب ہے جب میں پانی کی پیاس محسوس کروں اور تُو ہی میری غذا ہے جب میں کھانے کا ارادہ کروں۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ابن قیم رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

(باقی صفحہ نمبر ۱۹ پر ملاحظہ فرمائیں)

تحقیق وتدقیق

قسط نمبر ۲

تصوف نقل وعقل کی روشنی میں

ڈاکٹرابراہیم بن محمدالبریکان ترجمہ:صہیب حسن فضل حق مبارک پوری

تصوف کی نشوونمااوراس کے رواج کے اسباب:

تصوف کے مذکورہ تاریخی تسلسل کے بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تصوف کی نشوونمااوراس کے رواج کے دواہم اسباب ہیں:

ا: دنیاوی عیش وعشرت اور جسمانی شہوت ولذت میں اِسراف و فضول خرچی جو حد سے تجاوز کر گئی تھی۔اس طرح کے طرز معاشرت پر بعض نکیر کرنے والوں اوراس طوفان بلا خیز کے مقابلے کی تاب نہ رکھنے والوں کے لیے یہی چیز سبب بنی کہ مباحات کے کم سے کم استعمال اور مختلف طریقۂ عبادات پر شدید حرص کو اپنا منہج حیات بناتے ہوئے ان معاشروں سے گوشہ نشینی اور راہ فرار اختیار کریں۔اور اُنھوں نے بعض نصوص شرعیہ،مثلاً:

حدیث:

((البذاذة من الایمان .))

''پراگندگی وشکستہ حالی ایمان کی علامت ہے۔''

اورحدیث:

((لو تعلمون ما أعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا و لخرجتم فى الصعدات تجأرون .))

''اگر تمھیں وہ چیزیں معلوم ہوجائیں جو میرے علم میں ہیں تو تم ہنسنا کم اور رونا زیادہ کردو۔اور بیابانوں میں نکل کر اللہ سے گڑگڑانے لگ جاؤ۔''

کواپنے مسلک پر حجت بنا کر دلوں کو مطمئن کرلیا تھا۔

۲: کچھ خارجی اسباب بھی ہیں جو مختلف قوموں،مثلاً:یونان وہنود اور یہود ونصاریٰ وغیرہ کے افکار ونظریات سے متاثر ہونے کی بنا پر پیدا ہوئے۔

چونکہ تصوف اپنے ابتدائی مرحلے میں موجودہ شکل کے برعکس تھا، اس لیے محققین کے مابین یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا تصوف کی نشوونماایک فطری اور طبعی امر ہے کہ اس کے اسباب اُمت کی اندرونی صفوں ہی میں پائے جاتے تھے جیسا کہ پہلے سبب میں واضح کیا گیا یا بیرونی وخارجی اسباب کی وجہ سے اس کو رواج حاصل ہوا؟ دونوں طرح کی باتیں لوگوں نے کہی ہیں۔عمیق مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ صوفیوں کے افکار کو آخری شکل تک پہنچانے میں داخلی وخارجی دونوں قسم کے اسباب داخل ہیں۔ہمارا بھی یہی خیال ہے اوراسی کو ہم ترجیح دیتے ہیں۔اوراس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اُمت کی صفوں میں ظاہر ہونے والے عام فرقوں کی ابتدا اُن سہل اسباب کی وجہ سے ہوتی ہے جن میں سے بیشتر معاشرے کے اندر ردّعمل کے نتیجے میں داخلی ہی ہوتے ہیں،ان فرقوں کے اندر ایسی خارجی تاثیرات ہوتی ہیں جو منحرفین کے دلوں میں اپنے افکار ونظریات کو جاگزین کرنے کے بہ آسانی راہ پالیتی ہیں۔

تلاش وجستجو کے ذریعے مزید متعدد اسباب اور معلوم ہوسکتے ہیں جن کا تصوف کورواج دینے میں دخل رہا ہے:

①......خارق عادت اُمور کو صلاح وولایت کے اثبات میں وسیلے کی حیثیت سے استعمال کرنا جو عوام کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔اسی طرح صوفیوں میں کثرت سے جادوگر،دجال ومکار،شعبدہ باز اور جن وشیاطین سے استعانت لینے والے پیدا ہوئے جن کے سبب تصوف

کی راہ سے مسلمانوں کے درمیان بت پرستی اور خرافیانہ اُمور کو بہت رواج حاصل ہوا۔

②......رقص وغناء اور بے ریش لڑکوں کی صحبت وغیرہ جیسے دیگر منکرات کا استعمال جس نے بہت سے فاسق و فاجر کوان (صوفیوں) کی صحبت میں رہنے اور ان کے ساتھ گھل مل کر ان بُرائیوں کو انجام دینے پر اُبھارا۔

③......باطنی اسلوب کو استعمال کر کے صوفیانہ اعمال کو صرف اپنے ہی خیال کے لوگوں تک اس دعوے کے ساتھ محدود رکھنا کہ اس کا مکمل طور پر سمجھنا بلکہ اس کو اخذ کرنا دوسروں کے لیے ممکن نہیں۔

④......شرائع اسلامیہ کی پابندی میں تساہل سے کام لینا جو تساہل پسندوں اور شریعت حقہ پر عمل سے فرار چاہنے والوں کو ان کے ساتھ جڑنے میں کشش پیدا کرتی ہے تاکہ انھیں بھی تکلیفی اُمور سے نجات مل جائے۔ کیوں کہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ظاہر شریعت کو چھوڑ کر صرف باطن کا اہتمام کرتے اور اسی پر عمل کرتے ہیں۔

⑤......پیوند لگے لباس پہن کر، دنیا اور اس کی لذتوں سے بے رغبتی کا اظہار کر کے، اللہ کی محبت اور راضی بہ قضاء وقدر کے لمبے چوڑے دعوے کر کے اور مصیبتوں پر صبر کا مظاہرہ کر کے عوام کو دھوکہ دینا۔

⑥......مختلف قسم کے القاب ولہو ولعب جن کے ذریعے وہ اپنے اور اپنے مذہب کے پرچار کا کام انجام دیتے ہیں۔

اہل تصوف کی اقسام:

زیر نظر مضمون کے مختلف موضوعات کو دیکھتے ہوئے صوفیوں کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلی تقسیم: عملی حیثیت سے

دوسری تقسیم: اعتقادی حیثیت سے

(۱)......عملی حیثیت سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

ا۔صوفیائے حقیقت:

یہ وہ لوگ ہیں جن کے نزدیک تصوف کا مقصود ایسے احوال و حقائق، قوانین وضوابط اور سیرت و کردار کی پابندی ہے جو باطنی امراض کی کدورت سے باطن کی پاکیزگی اور کثرت عبادات و کثرت زہد سے ظاہر کی صفائی کو مستلزم ہیں۔

لفظ صوف (موٹے جھوٹے کپڑے) کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھی لوگوں پر ''صوفیاء'' کا اطلاق کیا گیا اگر چہ ان کے طریقے میں صوف پہننے کی قید نہیں، نہ تو اُنھوں نے صوف کے استعمال کو اپنے طریقے کے اُصول وضوابط میں شمار کیا، نہ اس کے پہننے کی تلقین کی اور نہ ہی ظاہری و باطنی صلاح کو کلی طور پر اس سے مربوط کیا۔ عام صوفی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہی لوگ انبیاء ورُسل علیہم السلام کے بعد سب سے افضل ہیں اور ان کا مقام ''صدیق'' کے برابر ہوتا ہے۔

صدیق: جو زہد وعبادت کے ساتھ مختص ہو۔ لیکن جس طرح کے صدیق ہونے میں اُنھوں نے اجتہاد کیا ہے وہ صدیق کامل سے کمتر اور مطلق صدیق سے خاص ہے، صدیقیت کا رتبہ تو دراصل صحابہ کرام و تابعین عظام اور تبع تابعین ہی کو حاصل ہو سکتا ہے۔

اس لیے وہ (صوفی) اپنے زمانے کے صدیق ہیں اور ان کی صدیقیت نسبی ہے جس میں وہ مختلف درجات و مقامات پر ہیں۔ صوفیوں کے اس گروہ کے متعلق تین طرح کے خیالات رکھنے والے پائے جاتے ہیں:

پہلا گروہ: اس نے ان کی مذمت کے ساتھ ان کے معمولات کو بدعت قرار دیتے ہوئے ان کو اس سنت کے مفہوم سے نکال دیا جو ترک بدعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے طریقے کے التزام پر مشتمل ہے۔

دوسرا گروہ: یہ لوگ ان کے بارے میں مبالغہ آمیزی کرتے ہوئے یہ دعویٰ کر بیٹھے کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ افضل ترین لوگ ہیں۔

تیسرا گروہ: اس کے بہ قول یہ لوگ تمام مومنوں کی طرح اللہ کی

اطاعت و بندگی میں کوشش کرنے والے ہیں، چنانچہ ان میں بعض خیر کے کاموں میں سبقت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنی کوشش اور لگن کے اعتبار سے اس کا تقرب اختیار کرنے والے ہیں، بعض وہ لوگ ہیں جو میانہ روی اپناتے ہوئے واجبات کو بجالانے اور منہیات کے ترک پر محافظت کرنے والے ہیں اگر چہ ان سے مسنونات کی محافظت اور مکروہات سے اجتناب میں کوتاہی ہوتی ہے، ان میں ایسے نافرمان بھی ہیں جو معصیت کے کاموں کو کرنے میں جرأت سے کام لینے والے ہیں، ایسے لوگ اپنے نفس پر ظلم ڈھانے والے ہیں۔

اس تقسیم سے سبقت کرنے والوں اور میانہ روی اختیار کرنے والوں سے غلطی کے صدور کی نفی نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر بنی نوع انسان (بجز انبیاء علیہم السلام) خطا کار ہے اور اچھے خطا کار توبہ کرنے والے ہیں، چنانچہ کچھ لوگ خطا کر کے توبہ کر لیتے ہیں اور کچھ ایسا نہیں کرتے۔

۲۔صوفیائے رزق:

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے کسب معاش کا خیال دل سے نکالنے کے لیے رزق وعمل سے بحث کرنا چھوڑ دیا اور لوگوں سے ملنے والے صدقات واَوقاف پر اکتفا کیا کیوں کہ ان کا اصحاب حقائق میں سے ہونا دشوار ہے اس لیے کہ ارباب حقائق لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے اور نہ ہی ان کے صدقات پر ان کا گزران ہوتا ہے، صوفیائے رزق میں تین شرطیں ضروری ہیں:

پھلي شرط : شریعت کی پابندی، فرائض کی بجا آوری، محرمات کے اجتناب اور انسانی اخلاق کی محافظت کے ذریعے شریعت کی پابندی، چنانچہ وہ کسی ایسے فعل کا مرتکب نہ ہو جسے عادتاً قبیح سمجھا جاتا ہو۔

دوسري شرط : شرعی آداب کا التزام، لہٰذا وہ دین میں بدعت کے کاموں سے اجتناب کرے۔

تيسري شرط : دنیاوی ساز وسامان کی زیادتی اور کثرت سے مال اکٹھا کرنے سے دور رہنا۔

اگر اس نے تینوں میں کسی ایک شرط کی مخالفت کی تو اوقاف سے کسی چیز کا مستحق نہیں ہوسکتا ہے۔

۳۔صوفیائے رسم:

ان لوگوں نے محض صوفیوں کی طرف نسبت اور پیوند لگے اور موٹے جھوٹے کپڑے پہن کر ان کا بھیس اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ نہ تو ان کے کسی طور طریقے کا التزام کیا اور نہ ظاہری و باطنی اعمال میں کسی شیخ طریقت سے اپنے آپ کو مقید سمجھا۔

یہ لوگ ان کے اوراد و ظائف کا ورد تو کرتے ہیں لیکن ان کے اعمال کا التزام نہیں کرتے۔ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر لوگوں نے انھیں صوفی گمان کیا لیکن وہ حقیقت میں صوفی نہیں ہیں کیوں کہ ان کا تصوف محض اس کی طرف نسبت اور اس کے ظاہری لباس میں ہے، ورنہ درحقیقت وہ صوفی نہیں ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک صوفیوں کی نوعیتیں اور ان کے احکامات کے مذکورہ بیانات سے ظاہر ہوا کہ یہ نام شہرت پا جانے کے بعد حقیقت عرفیہ میں بدل گیا۔ اس لیے صوفیوں کے احکام کے متعلق تفصیلی گفتگو اور ان کے کھرے کھوٹے کا بیان ضروری تھا، اس لیے کہ تصوف کی تعریف یا مذمت یا شریعت اسلامیہ میں اس کے ذریعے سے نام رکھنے میں کچھ بھی وارد نہیں ہوا ہے، اس بنیاد پر یہ ایک ایسا لفظ ہے جس کے ذریعے بہ طور مدح یا مذمت نام رکھا جا سکتا ہے، لیکن اس میں حق و باطل کی جو آمیزش ہوگئی ہے اس میں تمیز کرنا ضروری ہے۔

فخر الدین رازی کی نظر میں صوفیوں کی ایک دوسری تقسیم ہے، چنانچہ اُنھوں نے ان کی چھ قسمیں بیان کی ہیں:

۱: اصحاب عادات: یہ وہی لوگ ہیں جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک رسمی صوفی کہے جاتے ہیں۔

۲: اصحاب عبادات: یہ لوگ دنیا سے بے رغبت ہو کر عبادت کے لیے منقطع ہونے والے اور باطن کو چھوڑ کر ظاہر پر توجہ دینے والے ہیں۔

۳: اصحاب حقیقت: ان لوگوں نے عبادات اور باطن دونوں کا اہتمام

کیا،اس کا مقصد نفس کو اس کی باطنی گندگیوں سے پاک کر کے ان تمام چیزوں سے آزاد کر لینا ہے جو اس کو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور کائنات میں غور وفکر سے مشغول رکھنے والی ہوں۔

۴: نوریہ: یہ وہ لوگ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں رکھنے والے دو اُمور ہیں:

پہلا نوری ہے: اس کا مطمح نظر اصلاح نفس اور عمدہ اخلاق سے آراستگی میں مشغول ہونا ہے۔

دوسرا ناری ہے: اس کا مطلب نفس کا اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی قابل مذمت چیزوں، مثلاً: شہوت وغضب اور حرص وطمع وغیرہ میں مشغول رہنا۔

۵: حلولیہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ حلول واتحاد کے دعوے دار ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ان ہفوات سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

۶: مباحیہ: یہ لوگ حب الٰہی میں آخری مرتبہ کو پہنچ جانے کی وجہ سے رفع تکالیف کے دعوے دار ہیں۔

اس تقسیم کی حقیقت کا خلاصہ دو اُمور میں بیان کیا جا سکتا ہے:

①......عملی: اس ضمن میں وہ لوگ آتے ہیں جو اصحاب عبادات یا اصحاب حقیقت یا نوری کہے جاتے ہیں۔

②......عقدی: یہ حلولیہ اور اباحیت پسند لوگ ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض لوگوں نے صوفیوں کی چار قسمیں کی ہیں: (۱) اصحاب سوابق۔ (۲) اصحاب عواقب۔ (۳) اصحاب وقت۔ (۴) اصحاب حق۔

اصحاب سوابق: قضاء وقدر پر ان کا دائمی اور کلی اعتماد ہوتا ہے کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ حکم ازلی بندوں کی کوششوں سے متغیر نہیں ہوتا، اس لیے وہ اوامر کے بجالانے، نواہی سے اجتناب کرنے اور ہر طرح سے تقرب الی اللہ کے لیے کوشاں ہوتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ اعمال قابل وثوق اور اہمیت کے حامل نہیں ہوتے ہیں۔

اصحاب عواقب: انھیں ہمیشہ اپنے خاتمے کی فکر دامن گیر رہتی ہے کیوں کہ سارے عمل کا اعتبار ان کے خاتمے پر ہوتا ہے۔ اور انجام پوشیدہ ہوتے ہیں۔

اصحاب وقت: انھیں ابتداء وانتہاء سے سروکار نہیں ہوتا بلکہ وقت کی رعایت اور اس کے لازمی احکام کو مدنظر رکھتے ہیں۔

اصحاب حق: یہ لوگ وقت اور زمانے کے مالک ومدبر (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اور اسی کے مشاہدے میں گرفتار ہونے کی وجہ سے وقت کا مشاہدہ نہیں کر پاتے اور نہ ان کو وقت اور زمانے کی رعایت کا موقع ملتا ہے۔

یہ تقسیم صوفیوں کے حالات کے اعتبار سے ہے۔

(جاری ہے)

اصلاحِ معاشرہ

خطبہ حجۃ الوداع

(حقوق العباد کا بین الاقوامی منشور)

عبدالرشید عراقی

خطبہ حج الوداع تاریخ انسانی کا ایک بے مثل اور بے نظیر خطاب ہے ۔عرب اپنی فصاحت اور بلاغت کی بنا پر ہمیشہ سے ممتاز رہے ہیں۔آپ ﷺ کا ارشادمبارک ہے:

((أنا أفصح العرب .))

''میں عرب کا سب سے فصیح انسان ہوں۔''

خطبہ حجۃ الوداع اپنی تعلیمات،موضوعات،فصاحت و بلاغت، اثر انگیزی ، جامعیت ،حسن کلام اور حسن تاثیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

۹ذوالحجہ ۱۰ھ کو آپ ﷺ عرفات تشریف لے گئے اور اس پہاڑی،جوجبل رحمت کہلاتی ہے،کے دامن میں آپ ﷺ نے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے ایک یادگار خطبہ ارشادفرمایا۔

حج میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد مورّخین اوراصحاب سیر نے ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی ہے۔مورّخین نے اپنی تصانیف میں اس تاریخی خطبے کے مشمولات نقل کیے ہیں جن کی عبارت میں معمولی سافرق ہے۔

یہ خطبہ اپنی ہمہ جہت خوبیوں کے باعث بےنظیراور بے مثال ہے۔

خطبہ:

آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھرفرمایا:

''اے لوگو! میری بات سنو، مجھے نہیں معلوم کہ اس سال کے بعدمیں یہاں کبھی تم سے دوبارہ ملوں گا۔

اے لوگو! تمھارا خون اورتمھارا مال تا قیامت جب تم اپنے رب کے حضور حاضر ہو گے، ایک دوسرے کے لیے اسی طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اور یہ مہینا۔یقیناً تم اپنے رب کے حضور حاضر ہو گےاوروہ تم سے تمھارے مال کے بارے میں پوچھے گا۔یہ بات میں نے تم تک پہنچادی ہے۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کواس کی امانت واپس لوٹا دے۔ہرقسم کا سودممنوع ہےلیکن تمھیں اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے،نہ تم ظلم کرواورنہ تم پرظلم کیا جائے۔اللہ نے سودکوحرام قرار دے دیاہےاورعباس بن عبدالمطلب کا تمام سودختم کیا جا تا ہے۔

ایام جاہلیت میں بہائے گئے خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔خون کا پہلا دعویٰ جسے میں کالعدم کرتا ہوں ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہےجس کی رضاعت بنولیث میں ہو رہی تھی کہ بنو ہذیل نے اسے قتل کر دیا۔ یہ ایام جاہلیت کا پہلاخون ہے جسے میں معاف کرتا ہوں۔

اے لوگو! شیطان اب اس سے مایوس ہوگیا کہ اس سرزمین پرکبھی اس کی پرستش ہوگی۔لیکن اگر پرستش سے کم اُن اُمور میں جنھیں تم حقیر جانو اس کی اطاعت کی جائے گی تو وہ خوش ہوگا،لہٰذا دین کے معاملے میں اس سے ہوشیار رہو۔

نسيء (مہینوں کا اپنی جگہ سے ہٹادینا) کفر میں زیادتی کا باعث ہے،اس سے کافر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں کہ ایک سال تو اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور پھر دوسرے سال اس کو حرام قرار دیتے ہیں تاکہ اللہ نے جوگنتی مقرر کر رکھی ہے اسے پورا کرلیں۔اس طرح وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے مہینے

کوحلال اور حلال کیے ہوئے مہینے کوحرام کر لیتے ہیں۔
اب زمانہ گردش کر کے پھر وہاں آ گیا ہے جس پر اللہ نے آسمان اور زمین کوتخلیق کیا تھا۔ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ(۱۲) مہینے ہیں ۔ ان میں چار(۴) محترم ہیں ۔ تین (۳) مہینے (ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم) متواتر ہیں اور ایک رجب مضر جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔
تمھاری بیویوں پر تمھارے کچھ حقوق ہیں تو تم پر بھی اُن کے کچھ حقوق ہیں۔ تمھارا یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستر کی حرمت کو پامال نہ کریں اور بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تمھیں اجازت دیتا ہے کہ ان کے بستر الگ کر دو اور انھیں مارو لیکن سختی سے نہیں۔ اگر وہ ان باتوں سے بچی رہیں تو ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ، انھیں کھانے پینے کو دو اور اُن کو لباس مہیا کرو، یہ اُن کا حق ہے۔ عورتوں کے ساتھ نرمی برتو کیوں کہ وہ تمھاری گرفت میں ہیں اور اپنی ذات پر انھیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ تم نے انھیں اللہ کی طرف سے ایک امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے ارشادات سے تم نے ان سے حظ حاصل کیا ہے۔
پس اے لوگو! میری بات سمجھو، بے شک میں نے تم تک سب کچھ پہنچا دیا ہے اور میں نے تمھارے پاس ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر اُن کو تھامے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے؛ صاف اور روشن اللہ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے رسول (ﷺ) کی سنت۔
پس میری بات سنو اور سمجھو! جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جو تمھارا بھائی تمھیں خوشی سے دے وہ لے لو کہ یہ جائز ہے اور اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔
اے اللہ! کیا میں نے تیرا پیغام نہیں پہنچایا؟ لوگوں نے کہا: بے شک، اے اللہ! تیرے رسول ﷺ نے تیرا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! تُو گواہ رہنا۔ (یہ تین بار ارشاد فرمایا۔)''

(صحیح مسلم : ۱/ ۳۹۷)

جب آپ ﷺ خطبے سے فارغ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:۳]

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو بہ حیثیت دین پسند کر لیا۔''

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنی تو رونے لگے، آپ رضی اللہ عنہ سے رونے کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

''اس لیے کہ کمال کے بعد زوال ہی تو ہے۔''

(رحمۃ للعالمین: ۱/ ۲۳۰)

احادیث کی مستند کتابوں میں اور باتیں بھی درج ہیں جو آپ ﷺ نے اپنے اس خطبے میں ارشاد فرمائیں، مثلاً:

''اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ (آدم) ایک ہے، کسی عرب کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عرب پر فضیلت حاصل نہیں، نہ کسی گورے کو کالے پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر مگر ہاں، تقوے کے سبب۔
اپنے غلاموں کا خیال رکھو۔ جو تم کھاتے ہو، اُن کو بھی کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو انھیں بھی پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم دیکھ کر معاف نہیں کر سکتے تو ان اللہ کے بندوں کو فروخت کر دو، انھیں عذاب نہ دو۔
اے لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی اور پیغمبر ہے اور نہ کوئی جدید اُمت پیدا ہونے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے پروردگار کی عبادت کرو

اور پنجگانہ نماز ادا کرو۔ سال بھر میں ایک مہینے کے روزے رکھو، مالوں کی زکات نہایت خوشی سے ادا کیا کرو۔ اپنے پروردگار کے گھر کا حج بجالاؤ۔ اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرو جس کی جزا یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو گے۔''

(سنن ابن ماجہ، رحمۃ للعالمین: ۱/ ۲۲۸)

خطبہ حجۃ الوداع؛ غور وفکر کے چند پہلو:

آنحضرت ﷺ کا یہ خطبہ مبارک بلند پایہ ارشادات پر مشتمل ہے جس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ الفاظ کا انتخاب اور اسلوب بیان دونوں فصیح وبلیغ ہیں۔ پروفیسر عبدالجبار شاکر لکھتے ہیں:

''اس خطبے میں شرف انسانیت کی حدود کے لیے معاشرت کے جس تصور کا ذکر کیا گیا ہے، وہ اس خطبے کا اہم ترین پہلو ہے۔ نسل انسانی کی بقا اور نشو ونما کے لیے جس صحت مند نقطہ نظر کی ضرورت ہے، اسے پوری جامعیت اور اعجاز واختصار کے ساتھ پیش کر دیا گیا ہے۔ انسانی معاشرت میں ایک فرد کے حقوق، نسب ونام کے تحفظ ووقار کے لیے اس سے بہتر کلام اور اہتمام اس سے قبل کبھی موجود نہیں تھا۔''

(خطبات ومقالات سیرت، ص: ۱۲۲)

خطبے کی وضاحت:

۱: ''لوگو! تمھارا خون اور تمھارا مال اسی طرح تم پر حرام ہے جس طرح یہ دن، یہ مہینا اور یہ شہر تم پر حرام ہے۔''

سبحان اللہ! کتنا عظیم ارشاد اور کتنی اہم بات ہے۔

۲: ''یاد رکھو، ہر جاہلی امر باطل ہے۔ جاہلیت کے تمام خون باطل کر دیے گئے ہیں، جاہلیت کے تمام سود باطل کر دیے گئے ہیں۔''

گویا آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ تعصب اور قبائلی احساس برتری پر مبنی وہ تمام روایات جن پر عہد جاہلیت میں فخر کیا جاتا تھا اور ان پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا، زبان، نسب اور نسل کے امتیازات، انسان کا اپنے بھائی کو ظلم اور استحصال کی بیڑی میں جکڑنا، یہ سب چیزیں باطل اور بے اعتبار ہو گئی ہیں۔

۳: ''زمانہ اب اسی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر اسے مہینوں کے اعتبار سے تقسیم کیا گیا تھا۔''

اہل عرب عہد جاہلیت اور آغاز اسلام میں ان مہینوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا کہ زمانہ گھوم پھر کر آج دوبارہ اسی نقطہ پر آ گیا ہے جس پر ابتدا میں تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کر کے ان کے ساتھ کھلواڑ نہ کرو۔ آج کے بعد حج ہمیشہ اس مہینے میں ہو گا جسے ذوالحجہ کہتے ہیں۔

۴: رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید فرمائی، اس لیے کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں پر ظلم وستم ہوتا تھا اور معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اس کے کسی حق کو بھی ذرہ بھر وقعت نہیں دی جاتی تھی۔

آنحضرت ﷺ کی عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید میں ایک حکمت یہ بھی کارفرما تھی کہ مسلمانوں کے لیے ہر زمانے اور ہر عہد میں یہ عظیم فرق واضح رہے کہ عورت کا شرف اور اس کے فطری حقوق کیا ہیں جن کی اسلامی شریعت نے ضمانت فراہم کی ہے۔ اور وہ مختلف وسائل وذرائع کیا ہیں جنھیں لوگوں نے اس کی عفت وعصمت کے ساتھ کھلواڑ کرنے کے لیے جائز کر لیا ہے لیکن اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے۔

۵: آنحضرت ﷺ نے لوگوں کے سامنے ان کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے سلسلے میں دو (۲) سرچشموں کی نشان دہی کی ہے اور یہ ضمانت بھی دی ہے کہ ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی صورت میں گمراہی اور بدبختی سے محفوظ رہو گے، وہ دو سرچشمے یہ ہیں:

① ......اللہ کی کتاب (قرآن مجید۔)

② ......رسول اللہ ﷺ کی سنت۔

آنحضرت ﷺ نے یہ یقین دہانی اپنے بعد آنے والی تمام نسلوں کو فرمائی ہے تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ ان دونوں سرچشموں سے رہنمائی کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہے اور یہ دونوں ایسے سرچشمے ہیں کہ کسی بھی دور میں ان کی افادی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آ سکتا۔

۶: ''اپنے حاکموں کی اطاعت وفرماں برداری کرو۔''

مگر اطاعت وفرماں برداری اس وقت تک ہے جب تک وہ کلام اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے تحت ہو۔ لیکن جب وہ ان دونوں (کلام اللہ اور سنت رسول ﷺ) سے انحراف کریں تو پھر اس صورت میں ان کی اطاعت وفرماں برداری کی گنجائش نہیں۔

حاکم سے تعلق خاطر اور اس کی اطاعت کی بنیاد کتاب وسنت کے دکھائے ہوئے راستے کی پیروی ہے، پھر خواہ وہ حبشی غلام ہو، اس سے بارگاہ الٰہی میں اس کی حیثیت میں بال برابر بھی فرق نہیں آتا۔

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے یہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) اور اس کے نبی ﷺ کی سنت کے حدود سے ماوراء حاکم کی کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔

(دروس سیرت، ص: ۶۰۹-۶۱۲)

خطبہ حجۃ الوداع پر قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ کا اقتباس:

علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ اپنی بے نظیر کتاب ''رحمۃ للعالمین'' میں خطبہ حجۃ الوداع نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''ناظرین! اس خطبہ نبوی ﷺ کو پڑھیں، غور سے پڑھیں کہ آنحضرت ﷺ نے کیوں اپنے الوداعی خطبے میں قرآن مجید پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور کیوں کر قرآن مجید پر عمل کرنے والے کے لیے یہ حتمی وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی گمراہ نہ ہو گا۔

کیوں کر مسلمانوں کے باہمی حقوق جان و مال وعزت کو محفوظ فرمایا ہے۔

کیوں کر اپنی ذات مبارک کے متعلق، اپنے عمر بھر کے کارناموں کے متعلق، ہمارے باپ داداؤں سے گویا مہریں ثبت کرالی ہیں۔

کیوں کر بیویوں کے حقوق پر نہایت مستحکم الفاظ میں توجہ دلائی ہے۔

کیوں کر ہر ایک مسلمان کو تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کا ذمہ دار وجواب دہ قرار دیا ہے۔

یہی وہ اصول واحکام ہیں جن پر عمل کرنا مسلمانوں کو دین اور دنیا میں سربلند کر سکتا ہے اور جن کا ترکِ عمل انھیں "خسر الدنیا و الآخرة" کا مصداق بناتا ہے۔''

(رحمۃ للعالمین: ۱/ ۲۲۹)

رسول اللہ ﷺ نے عرفات اور منیٰ میں جو خطبات ارشاد فرمائے، ان کا خلاصہ ڈاکٹر سید حسین الحقصاحب نے درج ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ نے اسلام کی بعض تعلیمات کا، جن سے مسلمان نظریہ اسلام پر مبنی ایک معاشرتی نظام کی تشکیل کے لیے مختلف ادوار میں ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے رہے ہیں، تاکیداً اعادہ فرمایا تھا۔ یہاں اتنی توجہ دلانا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان خطبات میں اُن بنیادی تصورات اور عقائد پر زور دیا جو اگرچہ قرآن مجید کی آیات میں بیان کیے جا چکے تھے اور جن کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے کر دی تھی لیکن جن کی اہمیت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ اپنی زندگی کے آخری خطبے میں اُن پر زور دیں۔ اسلام کا پیغام دائمی اور آفاقی ہے اور اس کی تعلیمات قابل عمل اور عام سمجھ میں آنے والی ہیں۔''

(سیرت محمد رسول اللہ ﷺ تاریخ کے تناظر میں، ص: ۵۸۴، ۵۸۵)

مولانا فضل اللہ انصاری سلفی (بہاری) لکھتے ہیں:

''بلاشبہ خطبہ حجۃ الوداع وحدت الٰہی اور وحدت آدم کا ایسا

آفاقی اعلان نامہ ہے جسے انسانی تہذیب کے روحانی و دانش وَرانہ تخلیقیسفر کی منزل مراد کہا جا سکتا ہے۔ یہ خطبہ بلاغت نبوی کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ اخوت و مساوات، حریت، عفو، درگزر، استحصال کے خلاف آواز، صحت مند معاشرے کی تعمیر وحقوق نسواں، ہم دردی، حق وراثت، امن وامان اور حقوق العباد کا بین الاقوامی منشور بھی ہے۔''

(ماہنامہ محدث بنارس، سنت نبوی اور امن عالم نمبر، ص:۹۸)

مولانا عبدالحق عبدالمنان سلفی رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ کا یہ خطبہ (حجۃ الوداع) رہتی دنیا تک پوری دنیا کے نام ایک پیغام ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے حقوق برابر ہیں۔ یہ اسلام کے معاشرتی نظام کی اہم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مساوات اور عدل کا درس دیتا ہے، نسلی تفاخر اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تفاضل کا خاتمہ کرتا ہے۔ یہ وہ بنیادی چیزیں ہیں جن میں اسلام کا معاشرتی نظام ترتیب پاتا ہے۔''

آپ ﷺ نے اس خطبے میں عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی اور مرد وعورت کے حقوق کی وضاحت کردی۔ تصور آخرت کو یاد دلایا جو اسلامی عقیدے کی اساس ہے۔ اتحاد واتفاق کی تلقین فرمائی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں نہ مارنا۔

آپ ﷺ نے اس خطبے میں جاہلی فرسودہ روایات کے اختتام کا اعلان فرمایا اور تمام مسلمانوں کو کتاب اللہ مضبوطی سے تھامنے کی دعوت دی جو پُرامن اسلامی معاشرے کی اساس ہے۔

سود کی مخالفت کرکے آپ ﷺ نے اقتصادی زندگی سے استحصال

(باقی صفحہ نمبر ۳۳ پر ملاحظہ فرمائیں)

شرعی سزائیں وحشیانہ یا حکیمانہ......!

عطاء محمد جنجوعہ

اسلام عالمی امن وسلامتی کا دین ہے۔ جو بلا امتیاز رنگ ونسل اور مذہب شہریوں کی عزت، جان اور مال کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔

خالق کائنات اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانی فطرت وجبلّت کے مطابق پُرامن زندگی گزارنے کے قواعد وضوابط مقرر فرمائے۔ البتہ وہ سنگین جرائم جن سے معاشرے میں فتنہ وفساد پھیلتا ہے اُن کی بیخ کنی کے لیے سخت سزائیں مقرر کی ہیں۔ اسلام کے نظام عدل میں مبینہ شہادتوں کے بعد قتل وغارت کی صورت میں قصاص، چوری کی بنا پر ہاتھ کاٹنے، شراب نوشی و پاکیزہ عورتوں پر تہمت لگانے پر دُرّے مارنے اور زنا کے جرم پر سنگسار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ سرعام حدود وقیود کے نفاذ سے لوگ عبرت حاصل کریں اور آئندہ جرم کرنے کی جرأت نہ کریں۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے جب تک ان شرعی سزاؤں پر عمل ہوتا رہا، معاشرے میں جرائم کی شرح کم رہی۔ جب سے مغرب کی طاغوتی قوتوں نے مسلم ریاستوں پر تسلط جمایا تو اُنھوں نے شرعی سزاؤں کو وحشیانہ کہہ کر ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے خود ساختہ قانون نافذ کر دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم کی رفتار میں اضافہ ہوا۔

غیر جانب دار ہو کر روز مرہ زندگی کے ان پہلوؤں پر غور کیجیے کہ جب کسی فرد کا حادثے کے دوران جسم کا جوڑ نکل جاتا ہے تو معالج اس کو اصل حالت پر لانے کی سعی کرتا ہے اور مریض درد کی وجہ سے چلاتا ہے۔ لواحقین اُس وقت ڈاکٹر کو وحشی نہیں کہتے بلکہ مریض کو صبر کی تلقین کرتے ہیں کہ اس وقت تکلیف برداشت کرنا ہی آئندہ زندگی میں ٹیڑھے بازو یا لنگڑے پن کی کوفت سے بچائے گا۔

ذی شعور صاحبان! غور فرمایئے، اگر چوک میں مجرم کو اس لیے سنگسار کیا جائے کہ اُس نے سکول جاتی طالبہ کی آبروریزی کی ہے یا کسی کو اس لیے کوڑے مارے جائیں کہ وہ آئندہ شراب میں مدہوش ہو کر گلی کوچوں میں ہذیان نہ بکتا پھرے اور نہ یہ کہ کسی کو باعزت خاتون پر تہمت لگانے کی جرأت ہو، تو اس میں کوئی بھی قباحت آپ نہیں پائیں گے۔ بلکہ آپ اس کے نفاذ کے لیے کوشش کریں گے۔ اور یہی اسلام کا منشا ہے۔

اسلام کی شرعی سزائیں حقوق نسواں کی محافظ ہیں جب کہ عورت کا مغربی تہذیب کے سیلاب میں بہہ جانا اور آزادی کے نام پر اپنی عصمت کو درندوں کے ہاتھوں لوٹا دینا آزادی نہیں، آزاری ہے اور نسل انسانی میں لاوارث بچوں کی پیدائش کی صورت میں خاندانی زندگی کی بربادی ہے۔

مشاہدے کی بات ہے کہ جب جسم کے کسی بھی حصے کا زخم لاعلاج قرار پائے یا کوئی شخص زخمی ہو جائے اور ڈاکٹر ادویات تجویز کرے مگر افاقے کی بجائے زخم پھیلنے کا اندیشہ لاحق ہو جائے تو اس موقع پر ڈاکٹر مشورہ دیتا ہے کہ اس کا بازو یا پنڈلی کاٹ دینے پر اس کے باقی جسم کی سلامتی کا انحصار ہے۔ لواحقین مریض کی جان کو عزیز سمجھ کر مفلوج یا مضروب عضو کو کاٹ دینے پر رضامند ہو جاتے ہیں کیوں کہ ایک عضو کاٹ دینے سے باقی جسم مرض کے زہریلے اثرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

اگر تم انسانی جان کو عزیز سمجھ کر اُس کے مفلوج عضو کے کاٹ دینے

(باقی صفحہ نمبر ۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

فهرست اردو کتب

محمد عطاء اللہ حنیف لائبریری

دارالدعوۃ السلفیہ، لاہور

۸۹۳ء۲۹۷ عبدالرحمٰن لکھوی (مجموعہ ۸ کتب)

ع۳۴چ چند سوالات از مولانا محمد حسین بٹالوی در جوابات، ص: ۱۶۔ ناشر: جمعیت اہل حدیث، لاہور۔

۲۔ محمد عبداللہ معمار امرتسری۔ مغالطات مرزا عرف الہامی بوتل، ص: ۴۸۔ سکول بک ڈپو، گوجرانوالہ۔

۳۔ ارشاد الحق اثری۔ قادیانی کافر کیوں؟ ص: ۱۱۹۔ ادارہ علوم اثریہ، فیصل آباد۔

۴۔ جج جمیس آباد۔ مرزائی مرتد اور کافر ہیں، ص: ۴۶۔ عارف نیوز ایجنسی، انارکلی، لاہور۔

۵۔ عبدالرشید۔ ختم نبوت اور نزول عیسیٰ، ص: ۹۲۔ اِدارہ محمدیہ کھنہ بلڈنگ، لاہور۔

۶۔ فتاویٰ علماء کرام متعلقہ مسئلہ حیات عیسیٰ بن مریم، ص: ۹۴۔ بیرڈاکخانہ، شیخوپورہ۔

۷۔ منظور احمد چنیوٹی۔ انگریزی نبی، ص: ۲۸۔ ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد، چنیوٹ۔

۸۔ منظور احمد چنیوٹی۔ جھوٹے نبی کی جھوٹی اُمت، ص: ۱۶۔ ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد، چنیوٹ۔

۸۹۳ء۲۹۷ عبداللہ امرتسری روپڑی

۵۸۳م مرزائیت اور اسلام، ص: ۲۶۴۔ اِدارہ دینیات، جامع قدس اہل حدیث، لاہور۔

۸۹۳ء۲۹۷ نور حسین صابر (مجموعہ ۲ کتب)

ص۱۱ات تحفہ نورانی، ص: ۱۳۶۔ مطبع جارج سٹیم پریس، لاہور۔

۲۔ سید محمد سبطین۔ خلافت الٰہیہ، ص: ۱۲۸۔ مطبع رفاہ عام سٹیم پریس، لاہور۔

۸۹۳ء۲۹۷ اِحسان الٰہی ظہیر

ظ۸۱م مرزائیت اور اِسلام، ص: ۲۱۶۔ ادارہ ترجمان السنۃ، شادمان، لاہور۔

۸۹۳ء۲۹۷ ظفر علی خان

ظ۳۱ا ارمغان قادیان، ص: ۱۹۲۔ روزنامہ زمیندار، لاہور۔

۸۹۳ء۲۹۷ عبدالحکیم پٹیالوی

ع۲۹م المسیح الدجال، ص: ۵۷۔ مطبع عزیزی ضلع کرنال، پنجاب۔

۸۹۳ء۲۹۷ مولانا عبدالغفور اثری

ع۴۵ح حنفیت اور مرزائیت، ص: ۲۷۸۔ اہل حدیث یوتھ فورس، سیالکوٹ۔

بقیہ: خطبہ حجۃ الوداع

کا خاتمہ کر دیا۔ ارکان اسلام؛ نماز، روزہ، زکات اور حج وغیرہ ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ ساتھ ہی حاکمانِ وقت کی اطاعت کا حکم صادر فرمایا تا کہ کسی طرح کا سیاسی خلفشار پیدا نہ ہو سکے۔

آخر میں آپ ﷺ نے اپنے آخری ارشادات، فرمودات کو عام شائع کرنے کا حکم دیا تا کہ ساری انسانیت کو اسلام کا زریں پیغام پہنچ جائے اور پوری انسانیت اپنے حقوق کو پہچان لے۔

آپ ﷺ کا یہ خطبہ اسلامی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جس پر تعمیر ہونے والا نظام انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوگا۔ (ان شاء اللہ)

(ماہنامہ محدث بنارس، سنت نبوی اور امن عالم نمبر، ص: ۲۶۴)

❀❀❀

یونہی بیٹھے ہوئے......

کہاں حُب محمد ﷺ اور کہاں اپنا دل خستہ
کہاں جامِ سفالیں اور کہاں شعلہ فشاں صہبا

کہاں شہرِ محبت کی نسیم صبح کا جھونکا
کہاں ہم اہل درد و داغ کا تپتا ہوا صحرا

کہاں یہ دیدۂ گریاں کہاں وہ عارض خنداں
کہاں چبھتا ہوا کانٹا کہاں کھلتا ہوا لالہ

یونہی بیٹھے ہوئے تنہا نہ جانے سوچتا تھا کیا
کہ یک دم بے ارادہ آ گیا دل میں خیال ان ﷺ کا

یونہی بیٹھے ہوئے پھر دردِ خفتہ ہو گیا بیدار
یونہی بیٹھے ہوئے دل آتشِ پنہاں سے جل اُٹھا

یونہی بیٹھے ہوئے آنکھیں مری طوفان لے آئیں
یونہی بیٹھے ہوئے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا میرا

(نعیم الحق نعیم رحمہ اللہ)